ہندوستان کی بزمِ رفتہ

کی

سچی کہانیاں

حصہ دوم

اس میں عہدِ مغلیہ یعنی ظہیر الدین محمد بابر سے نور الدین جہانگیر کے دور تک کے حکمرانوں، مذہبی
رہنماؤں اور رُوحانی پیشواؤں کی سبق آموز کہانیاں ہیں۔

مرتبہ

سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم۔اے

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع گردید

سنہ ۱۹۶۸ء

کتبہ اقبال احمد

فہرست مضامین

ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں

حصّہ دوم

۷۸۶

دیباچہ

"ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں" کی دوسری جلد ناظرین کے ہاتھ میں ہے، اس کی پہلی جلد ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی تھی، اس اثنا میں یہ معلوم کرنے کا موقع ملا کہ ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ اگر مستند حکایتوں اور کہانیوں کے ذریعہ سے کرانے کی کوشش کی جائے، تو کہاں تک مفید ہو سکتا ہے؟ شکر ہے کہ علمی حلقہ میں پہلی جلد کی پذیرائی ہوئی، اس لئے اب دوسری جلد پیش کی جارہی ہے،

ہندوستان کی تاریخ لکھتے وقت اب تک جنگ و جدل کی تفصیلات لکھنے میں زیادہ زور دیا گیا ہے، مسلمانوں کی حکومت کا عہد سپہگری کا دور تھا، اس لئے مؤرخین بھی زیادہ تر میدانِ جنگ ہی کی مرقع آرائی میں اپنے قلم کا زور دکھاتے، اور اس زمانہ کے ناظرین کو بھی جنگی اور فوجی معرکہ آرائی کے واقعات کے پڑھنے میں لذت ملتی، لیکن اب ذوق بدل چکا ہے، تمدنی، عمرانی، اخلاقی اور معاشرتی پہلوؤں کی تلاش بڑھتی جارہی ہے، خونیں داستانیں پڑھ کر الجھن ہوتی ہے، اور یہ خیال بھی جاگزیں ہونے لگتا ہے کہ ہمارا ماضی صرف خونریز واقعات سے داغدار رہا، ذہن کی اسی الجھن کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے رنگا رنگ قصوں اور حکایتوں کے ذریعہ سے ہم نے اپنے ماضی کے روشن اور تابناک پہلوؤں کو ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ان کو قلمبند کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ ان کے مطالعہ کے وقت ناظرین کے بلند اور پاکیزہ جذبات ابھریں، اگر کسی بھی حکایت سے اُن کے اچھے جذبات اُبھرے تو یہی میری محنت کا اصلی صلہ ہوگا، بعض اوقات پند و موعظت، یا اخلاقی و مذہبی تلقین اتنی کارگر نہیں ہوتی جتنی کہانی نما تحریریں اثر کرتی ہیں، خدا

کرے، زیرِ نظر کتاب کی کہانیاں، اس مقصد کو پورا کریں جس کی خاطر یہ لکھی گئی ہیں۔

خیال تھا کہ ایسی تمام کہانیاں اس دوسری جلد میں جمع کرکے اس سلسلہ کو ختم کر دیا جائے، مگر جب ضخامت بڑھنے لگی تو دوسری جلد کو زیادہ پھیلانا مناسب نہیں سمجھا گیا، کیونکہ کتاب ضخیم ہو جاتی اور پھر یہ کتاب کہانیوں کی ہلکی پھلکی کتاب باقی نہ رہتی، اور اس سے اصل مقصد پورا نہ ہوتا، اس لئے انشاء اللہ اب اس کی ایک اور جلد ہوگی،

ان کہانیوں کو قلم بند کرتے وقت خیال رکھا گیا ہے کہ یہ اصل ماخذوں کے مطابق ہوں اسی لئے ان میں افسانویت کا رنگ پیدا نہیں ہو سکا ہے، اگر یہ رنگ پیدا ہو گیا ہوتا، تو شاید ناظرین کو پڑھنے میں زیادہ لطف پیدا ہوتا، مگر اُن کی تاریخی سند مجروح ہو جاتی، اسی لئے واقعات کے قلم بند کرنے میں تاریخی رنگ کو ہر طرح باقی رکھا گیا ہے،

خدا کرے یہ بھی پہلی جلد کی طرح شوق سے پڑھی جائے،

"احقر"

دارالمصنفین اعظم گڈھ
۵ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ

سید صباح الدین عبدالرحمٰن
۲۴ ستمبر ۱۹۷۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

برفستانی علاقے میں پامردی

بابر بادشاہ (المتوفی ۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء) کی پوری زندگی جنگ و جدل میں گذری، کبھی اس کو فتح ہوئی، اور کبھی شکست جب اسکو شکست ہوئی تو اسکو بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا، ۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء میں ہرات میں اسکو ناکامی ہوئی، تو وہ وہاں سے نکل کر کابل کی طرف مراجعت کر رہا تھا، راستہ میں اسکو جو مصیبتیں اور مشقتیں اٹھانی پڑیں وہ ایک دردناک داستان ضرور ہے، لیکن ہندوستان کی ایک شاندار سلطنت کے بانی کی اولوالعزمی، پامردی، سپہگری، ہمت اور استقلال کی ایک ولولہ انگیز کہانی بھی ہے، وہ خود لکھتا ہے:۔

"شبرات کی ساتویں کو قشلاق کا بہانہ کرکے میں ہری سے نکلا، نواح بادغیس میں ہر پڑاؤ پر ایک ایک دو دو دن قیام کرتا ہوا چلا، یہ اس لئے کہ جو لوگ ضروری کاموں کے لئے ادھر ادھر چلے گئے تھے، وہ آجائیں، اس میں اتنا توقف ہوا کہ لنگر میر غیاث سے آگے بڑھنے کے بعد دوسری تیسری منزل میں رمضان شریف کا چاند دکھلائی دیا، جو لوگ کام کاج کرنے چلے گئے تھے، ان میں سے کچھ تو آگئے اور کچھ میرزاؤں کے پاس رہ گئے...... لنگر میر غیاث سے چل کر غرجستان کے کنارہ کے دامن کو زیر کرتے ہوئے ہم نخچیران پہونچے، لنگر سے نواح نخچیران تک برابر برف تھی جس قدر ہم چلتے گئے اسیقدر

برف اونچی ہوتی گئی، نواح نخچیران میں گھوڑے کی ران سے اونچی برف تھی، نخچیران ذوالنون بیگ کے علاقہ میں تھا، اس کا ملازم میرک خان ابر دو ہاں کا حاکم تھا، ذوالنون بیگ کے سارے غلہ کی قیمت دے کر غلہ خرید لیا گیا، نخچیران سے جب ہم آگے پہنچے تو دو تین دن کے بعد ایسی برف پڑنے لگی کہ گھوڑوں کے پٹھوں سے اونچی ہوگئی، اکثر جگہوں پر گھوڑے کا پاؤں زمین پر نہ پہونچتا تھا، اور برف برابر پڑ رہی تھی، جب ہم چراغدان سے گذرے تو برف بھی بلند تھی، اور راستہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا، لنگر میر غیاث میں مشورہ ہوا تھا کہ کابل کس راستہ سے چلیں، میری اور اکثر کی رائے تھی کہ جاڑا ہے، قندھار سے چلنا چاہئے، گو راستہ دور کا ہے مگر بے کھٹکے چلے چلیں گے، پہاڑ کے راستہ میں خوف اور دقت ہے، قاسم بیگ نے کہا وہ راستہ دور کا ہے، اور یہ پاس کا، وہ اس پر اڑ گیا، آخر اسی کے کہنے پر چلے، سلطان نامی ایک پشتوئی رہبر ہوا معلوم نہیں کہ کثرت برف سے یا کسی اور سبب سے راستہ سے نہ لے جاسکا، چونکہ قاسم بیگ کی ہٹ سے اس طرف چلے تھے، اس لئے اس کو غیرت آگئی، وہ اور اس کے بیٹے پیدل ہوکر برف کاٹ کاٹ کر راستہ ہموار کرنے لگے، اور آگے بڑھنے لگے، ایک دن برف بہت پڑی، راستہ بالکل نہیں دکھائی دیتا تھا بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر ایک قدم نہ چل سکے، ناچار الٹے پھرے، ایک جگہ ایندھن ڈھیروں تھا وہیں اتر پڑے، ساٹھ ستر سپاہیوں کو حکم دیا کہ جس راستہ سے ہم آئے ہیں ادھر ہی جاؤ ہزارہ قوم کے لوگوں نے پہاڑوں کے نیچے قشلاق کیا ہوگا ان میں سے راستہ دکھانے کے لئے کوئی اگوا لاؤ، ان کے آنے تک تین چار دن ہم اس منزل میں پڑے رہے، یہ جانے والے کوئی اچھا رہبر نہ لائے، خدا پر توکل کر کے سلطان پشتوئی اگوے ہی کو آگے رکھا، اور اسی راستہ سے جہاں سے الٹے پھرے تھے، چل کھڑے ہوئے،

بہت ہی مصیبت اور محنت اٹھانی پڑی، اپنی عمر میں اتنی محنت اور مصیبت کبھی نہ اٹھائی تھی، تقریباً ہفتہ بھر برف کاٹتے ہوئے چلے، اور کوس ڈیڑھ کوس سے زیادہ نہ چل سکے، بہ میں دس پندرہ مصاحبوں سمیت جب میں قاسم بیگ مع اپنے دو بیٹوں کے دستگیری اور قنبر علی اپنے دو تین نوکروں کے ساتھ تھے، پیدل ہو گیا، ہم سب مل کر برف کاٹتے تھے، ہر قدم پر کمر اور سینہ تک برف میں دھنس جاتے تھے، اور برف کھودتے تھے، چند قدم چلنے کے بعد جو آگے ہوتا تھا، وہ تھک کر کھڑا ہو جاتا تھا دوسرا آگے بڑھتا تھا، ہم ہی دس پندرہ آدمی برف کھودنے والے تھے، یہ حال تھا کہ ایک خالی گھوڑے کو کھینچتے لاتے تھے، رکاب اور خوگیر تک وہ برف میں دھنسا رہتا تھا، دس پندرہ قدم چل کر ٹھہر جاتا تھا، اس کو کونے میں کھڑا کر دیتے تھے، اور دوسرے کو بڑھا لاتے تھے، اسی مصیبت سے یہ دس پندرہ آدمی برف کاٹتے تھے، اور اپنے گھوڑے گھسیٹ لاتے تھے، باقی تمام اچھے اچھے سپاہی اور وہ لوگ جو سردار کہلاتے تھے گھوڑوں پر سے کھسکتے نہ تھے، کھڑے ہوئے اور صاف راستہ پر سر جھکائے ہوئے چلے آتے تھے، یہ موقع ایسا نہ تھا کہ کسی کو تکلیف دی جائے، جس کو ہمت ہو وہ خود چل پڑے خیر اسی طریقہ سے برف کاٹتے ہوئے، اور راستہ بناتے ہوئے تین چار روز میں کوتل زریں کے آخر خوال قولی نام ایک مقام ہے، اس میں آئے اس دن بڑی پریشانی ہوئی، ایسی برف پڑی کہ سب کو موت دکھائی دینے لگی، یہاں والے غار اور کھوہ کو خوال کہتے ہیں، اس خوال کے پاس جو پہنچے تو اور بھی پریشانی ہوئی، اسی خوال کے پاس ٹھہر گئے، برف بلند، راستہ چھپا ہوا، کھودی ہوئی راہ میں بھی گھوڑے دقت سے چلتے، دن تھوڑا رہ گیا، آگے چلنے والے دن ہی دن میں

خوال کے پاس جا پہنچے، مغرب سے عشا تک تو لوگ آگئے، پھر نہ آسکے، جو جہاں تھا، وہیں رہ گیا، بہتیروں نے تو گھوڑوں کی پیٹھ ہی پر رات گذاری، خوال بھی چھوٹی معلوم ہوئی، میں نے خوال کے منہ کے پاس برف ہٹا کر تکیہ سندہ کے برابر اپنے لئے جگہ نکالی، اور وہیں سمٹ کر ہو بیٹھا، سینہ تک برف کھودی تھی، پھر بھی زمین نہ نکلی، البتہ ہوا کا بچاؤ ہو گیا، میں وہیں، بیٹھا رہا، کئی آدمیوں نے کہا کہ اندر چلے جایئے، میں نے دل میں کہا کہ سب تو برف اور پریشانی میں ہیں اور میں گرم مکان میں چلا جاؤں اور آرام کروں، ساری قوم مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہے، اور میں لمبے پاؤں پسار کر سوؤں، یہ تو مروت اور یکجہتی سے بعید ہے، جو تکلیف گذرے میں بھی اس کا مزہ چکھوں، جس طرح اور خدا کے بندے مصیبتیں سہیں میں بھی سہوں، فارسی مثل مشہور مرگ بیاران عیداست، اسی ٹھنڈ اور گڑھے میں جو کھودا تھا، میں بیٹھا رہا، عشاء کے وقت اتنی برف پڑی کہ میں جو گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے بیٹھا تھا، تو میری پیٹھ پر اور کانوں پر چار چار انگل برف تھی، اسی رات میرے کانوں میں سردی بیٹھ گئی، عشا کے وقت کچھ لوگوں نے غار کو ٹٹولا، وہ چلائے کہ کھو بہت فراخ ہے، سب کو جگہ مل جائے گی، یہ سُن کر سر اور منھ سے برف جھاڑ میں بھی کھہ کے اندر چلا گیا، جو لوگ کھو کے باہر ادر گرد سردی کھا رہے تھے، ان کو بھی بلا لیا، چالیس پچاس آدمیوں کو فراغت سے جگہ مل گئی،

آذوق، یخنی، قورداغ اور جو کھانا جس کے پاس تھا، وہ اس نے پیش کیا ایسی سردی، برف اور پریشانی میں بڑے امن کی گرم جگہ میں فراغت کے ساتھ ہم آگئے، دوسرے دن برف تھمی اور پریشانی موقوف ہوئی، صبح ہی وہاں سے چل نکلے، کل کی طرح

برف کاٹتے اور راستہ بناتے ہوئے دامنہ کے اوپر نکل آئے، جو راستہ اوپر کی طرف جاتا تھا، وہ بہت اونچائی پر جاتا تھا، اس کوتل زریں کہتے ہیں، ہم اوپر کی جانب نہ گئے، درہ کے نیچے کی طرف روانہ ہوئے، دامنہ سے ہم نیچے نہ پہونچنے پائے تھے کہ شام ہوگئی، درہ ہی میں ڈیرے ڈال دیئے، اس رات بڑی سردی تھی، بہت مصیبت اور سختی سے وہ رات بسر ہوئی، بہت سوں کے ہاتھ پاؤں کو جاڑا مار گیا، اس رات میں کتہ بیگ کے پاؤں سوندرک ترکمان کے ہاتھ اور آتی کے پانوں کو ٹھنڈک نے مار دیا، دوسرے دن صبح کو درہ سے نیچے کی جانب ہم روانہ ہوئے، بڑے خراب اور تنگ مقاموں سے اترنے کا موقع ملا، مغرب کے وقت درہ سے باہر نکلے، کسی بڑے بوڑھے کو یاد نہیں ہے کہ اس پہاڑ میں ایسے وقت میں کہ اتنی برف پڑتی ہو، کوئی صحیح سلامت نکل گیا ہو، بلکہ اس موسم میں ادھر سے راستہ چلنا کسی کے خیال میں نہ آتا ہوگا، اگرچہ اس اونچی برف سے چند روز بہت تکلیف اٹھائی، اسی اونچی برف کے طفیل منزل پر بھی پہونچ گئے، کیونکہ اگر برف اتنی اونچی نہ ہوتی، تو اوّل ہی مقام میں گھوڑے، اونٹ اور آدمی سب کا کام تمام ہو جاتا،

ہر نیک بدے کہ در شمار است   تا در نگری صلاح کار است

عشا کے وقت ہم بلکہ اولانگ میں آن پڑے، بلکہ اولانگ والے ہمارے اترتے ہی ہمارے آنے سے آگاہ ہوئے، انھوں نے گرم مکان خالی کر دیئے، ہمارے لئے موٹی موٹی بکریاں وغیرہ حاضر کیں، گھوڑوں کے لئے دانہ گھاس اور سینکنے کے لیے بھوس اور اپلوں کا ڈھیر لگا دیا، اس ستم کی سردی اور برف سے نجات پا کر ایسے گانوں اور گرم مکانوں کا ملنا اور اس مصیبت و بلا سے بچ کر ایسی الغاؤں

روٹیاں اور یہ دم سم چرائی ہوئی بکریاں نصیب ہونی ایک نعمت ہے، جس کو محنت کرنے والے ہی جانتے ہیں، اور ایک پرورش ہے، جس کو بلاکش ہی پہچانتے ہیں" (تزک بابری اردو ترجمہ، از میرزا نصیر الدین حیدر گورگانی، ص ۱۹۸-۱۹۵)

(۲)

دریائی سفر میں دلیری | اوپر کی داستان سے معلوم ہوا ہوگا کہ بابر برفستانی علاقے کو کس طرح طے کرتا تھا، اس نے دریا میں اپنی جو دلیری اور بہادری دکھائی ہے، وہ بھی اس کی زبانی سننے کے لائق ہے، وہ آگرہ میں جب بادشاہت کا اعلان کر چکا تو کچھ دنوں کے بعد بنارس ہو کر بہار کی سمت ایک فوجی مہم میں جا رہا تھا، تو وہ لکھتا ہے،

چینن تیمور سلطان اور توختہ بوغا سلطان راستہ میں کھانے پینے کا انتظام کرنے کے لئے ٹھہر گئے تھے، میں نے سلطان کو بھی کشتی میں بلا لیا، توختہ بوغا سلطان دس کوس پر تھا، آندھی آئی، مینہ برسا، بڑی آندھی چلی، ہوا کے سبب سے معجون کھائی، گو کل معجون کھائی تھی، آج بھی کھانی پڑی، آج کوچ کیا، اور دوسرے دن یہیں توقف ہوا، منگل کو کوچ ہو گیا، پاس ہی ایک بیلے میں سبزہ زار تھا، کشتی میں سے گھوڑے پر سوار ہو اس کی سیر کی، پہر بھر میں سیر کر کے کشتی میں آگیا، جب سیر کو جانے کے لیے سوار ہوا تو ایک ترخنے ہوئے کرارے پر چڑھ گیا، اس پر چڑھتے ہی اچھلا، اچھلتے ہی کود کر میں کنارے پر جا پڑا، گھوڑا بھی اچھلا بے شک اگر میں سوار رہتا تو گھوڑے کے ساتھ ہی میں بھی اڑ جاتا آج ہی یہ موقع ملا کہ گنگا میں ہاتھ مارتا ہوا تیرا، میں نے ایک ہاتھ مارا، تو ۳۳ تینتیس ہاتھ لگا کر پار ہو گیا، کہیں دم نہ لیا، اور ہاتھ لگاتا ہی رہا، آخر گنگا پار کر لی، (تزک بابری اردو ترجمہ ص ۴۴۳)

ہزل گوئی سے توبہ | بابر کو شعرو شاعری کا بڑا اچھا ذوق تھا، کبھی کبھی وہ ہزل بھی کہتا تھا، لیکن اس نے ہزل گوئی سے جس طرح توبہ کی، اس کی داستان اسکی زبانی سنئے،

جالہ میں اکثر وہ لوگ تھے، جو شعر کہتے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جیسے شیخ ابوالواحد شیخ زین، ملا علی خان، تردی بیگ اور خاکسار وغیرہ، اثنائے صحبت میں محمد صالح کا یہ شعر پڑھا گیا،

محبوبئی ہر عشوہ گرے راچہ کند کس   جانیکہ تو ہاشی دگرے راچہ کند کس

فرمائش کی کہ اس زمین میں کچھ کہو، شاعر اور موزوں طبع فکر کرنے لگے ملا علی خان سے بہت ہنسی کھلی ہوتی تھی، ہنسی سے میں نے فی البدیہہ یہ شعر کہا،

مانند تو مدہوش گرے راچہ کند کس   نرگاؤ کسے مادہ خرے راچہ کند کس

اس سے پہلے جو کچھ اچھا برا کہنے اور ہزل نظم کرنے کا اتفاق ہوتا تھا تو لکھ لیا جاتا تھا، جب سے مبین (ایک مذہبی مثنوی) کو نظم کرنے لگا تو دل میں آیا کہ جس زبان سے یہ پاک الفاظ نکلیں حیف ہے کہ اس سے بیہودہ لفظ بھی نکلیں، اور جس دل میں ایسے مقدس مضامین آئیں، افسوس ہے کہ اس میں ایسے ناپاک خیال بھی پیدا ہوں، اسی دن سے ہزل کہنا ترک کر دیا تھا، اس شعر کے کہتے وقت اصلاً خیال نہ رہا دو ایک روز کے بعد بکرام میں آکر مجھے جاڑے سے بخار چڑھا، کھانسی بھی ہو گئی، اور کھنکار میں خون آنے لگا، اب میں سمجھا کہ یہ تنبیہ کس طرف سے ہے، اور یہ تکلیف کیوں ہے،

فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفیٰ بما عاھد علیہ فیؤتیہ اجراً عظیماً

اس کے بعد ترکی کے اشعار ہیں جس کے یہ معنے ہیں کہ اے زبان میں تیرا کیا علاج کروں تیرے طفیل میں میرے دل کا خون ہو گیا، تو کب تک ایسے اشعار کہے جائیگی، جن میں سے

گو کوئی فحش ہے اور کوئی جھوٹ، اگر تو کہے کہ میں اس گناہ سے کیونکر بچوں تو اس میدان سو اپنی باگ موڑ لے، ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا ونغفر لنا لنکونن من الخاسرین میں نے بار دگر توبہ کی اور اس نالائق طرز سے دل ہٹا لیا، سچ یہ ہے کہ کسی گنہگار بندہ کے دل میں ایسے خیال کا پیدا ہونا ایک بڑی دولت ہو جو خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے جو بندے اس طرح متنبہ ہو جاتے وہ اس کو سعادت عظمیٰ سمجھتے، (تزک بابری، اردو ترجمہ ص ۵۲ - ۲۵۳)

(۴)

توبۃ النصوح | بابر شیشہ و ساغر سے بھی شغل کیا کرتا تھا، اس سے کس طرح توبہ کی اس کا ذکر بھی اس کی زبانی سنیئے، یہ واقعہ کنواہہ میں رانا سانگا سے لڑائی سے پہلے کا ہے،

منگل کا دن ۲۳ دین جمادی الثانی کو میں سیر کرنے کے لیے سوار ہوا، اثنائے راہ میں خیال آیا کہ ہمیشہ سے دل میں توبہ کرنے کا ارادہ تھا، اور خلاف شرع فعل کرنے سے دل خوش نہ تھا، میں نے کہا، اے نفس!

دور ساز از جلا منا ہی خود را   پاک ساز از ہمہ گناہی خود را

اسی سوانح میں یہاں سے جا کر میں نے شراب سے توبہ کی، نقرئی اور طلائی صراحیاں اور گلاس وغیرہ تمام سامان بزم اسی وقت منگوا کر تڑوا ڈالا، ساری شراب پھکوا دی اور اپنے دل کو پاک کر لیا، ٹوٹا ہوا سامان محتاجوں اور مستحقوں کو بانٹ دیا سب سے پہلے میرے ساتھ عیس نے توبہ کی، اس نے داڑھی منڈانے اور رکھنے میں بھی ساتھ دیا تھا، اس رات میں اور دوسرے دن امرار، مصاحبین، سپاہی اور لوگوں میں سے تقریباً تین سو آدمی نے توبہ کی، اور شراب لنڈھا دی، بابا دوست کی لائی ہوئی شراب میں

نمک ڈلوا دیا گیا، تاکہ وہ سرکہ ہو جائے، ایک گڑھا کھدوا کر شراب کی بوتلیں اس میں لنڈھوا دی تھیں میں نے حکم دیا کہ اس جگہ ایک پتھر نصب کر دیا جائے، اور ایک مکان اس کے پہلو میں بنا دیا جائے، (تزک بابری اردو ترجمہ ص ۳۰۰)

(۵)

دوست نوازی بابر نے جب شراب پینے سے توبہ کر لی تو اس نے اپنے ایک دوست کو کابل ایک خط لکھا، جس سے اسکی غیر معمولی دوست نوازی کا بھی اظہار ہوتا ہے وہ لکھتا ہے،

اب میں نے شراب سے توبہ کر لی ہے، تم بھی توبہ کر لو، شراب پینے کا جب ہی لطف تھا کہ ہم سب پرانے یار ایک جگہ بیٹھ کر پیتے تھے، تنہا شراب پینے میں کیا خاک مزہ ہے، صرف دو قدیمی یار حیدر قلی اور شبیر احمد تمھارے پاس رہ گئے ہیں، ہائے مجھے کیا رشک اس پر آتا ہے کہ تم کابل کے مزے اڑاتے ہو،، اتفاق سے ایک تربوزہ میرے پاس آیا جب تراشا تو مجھے اپنی تنہائی پر کیسا افسوس آیا، قتلے تربوز کے منہ میں رکھتا جاتا اور آنکھ سے آنسو روتا جاتا تھا، (بحوالہ تاریخ ہندوستان جلد سوم از شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صفحہ ۱۲۳-۱۲۴)

(۶)

جوش و ولولہ ہندوستان میں بابر رانا سانگا سے جنگ کرنے کو کنواہہ کے میدان کی طرف بڑھا، تو اس نے اپنے فوجی امیروں اور سرداروں میں سراسیمگی اور کم ہمتی کے آثار دیکھے، لیکن اس نازک موقع پر اس نے غیر معمولی ہوشمندی سے کام لیا، اپنے ہمراہیوں میں شجاعت و بہادری اور جوش و خروش پیدا کرنے کی کوشش اور ایک مجلس کنکاش (مشورہ) منعقد کی، اور فوجی عہدیداروں کے سامنے حسب ذیل تقریر کی

اے امرا اور سرداران فوج!

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود　　آنکہ پائندہ و باقی است خدا خواہد بود

جس نے ماں کا پیٹ دیکھا ہے، وہ ضرور ایک دن قبر بھی دیکھے گا، جو دنیا میں آیا ہو وہ یہاں سے جائیگا بھی، بدنام ہو کر جینے سے نیک نام ہو کر مرنا بہتر ہے،

بنام نکو گر بمیرم رواست　　مرا نام باید کہ تن مرگ راست

جانتے ہو کہ یہاں سے ہم لوگوں کا وطن اور شہر کتنی دور ہے؟ کئی مہینوں کا رستہ ہے، خدا وہ دن دکھائے کہ ہم کو شکست ہو جائے، اور اگر ہم کو شکست ہو گئی (نعوذ باللہ) تو پھر ہم کہاں کے رہیں گے؟ کہاں ہمارا وطن؟ کہاں ہمارا شہر؟ ہم اجنبیوں اور بیگانوں کے ساتھ پڑے ہوں گے، جانتے ہو اگر ہمکو شکست ہو گئی تو مسلمان بادشاہ جو دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہیں، کیا کہیں گے، اور ہم کو کس زبان سے یاد کریں گے، اہل دنیا کی گفتگو اور طعن و ملامت کو چھوڑو، قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں کیا عذر پیش کر سکوں گا، ایک سلطنت مسلمان بادشاہ کے ہاتھ سے نکل گئی، اس سلطنت کا بادشاہ اپنے بہت سے ہم مذہبوں اور ہم قوموں کو قتل کر کے بن بیٹھا تھا، اور آج غیر مسلموں سے جنگ کئے بغیر کم از کم بغیر عذر شرعی کے واپسی کا راستہ تلاش کروں؟ آخر ان کے ہاتھوں اس ملک کے باشندوں پر کیا کیا مصیبتیں نہ آئیں گی، افسوس! اب وقت ہے کہ دل میں شہادت کی ٹھان کر کے جہاد کے لئے بڑھیں۔

چون جان آخر از ین ضرورت رود　　ہماں بہ کہ باری بغرت رود
سرانجام گیتی ہمین است و بس　　کہ نامی بہ نیکی بماند ز بس

اللہ تعالےٰ نے ہم کو یہ سعادت عطا کی ہے، اور یہ دولت عنایت فرمائی ہے کہ اگر ہم غنیم پر غالب آئے تو غازی کہلائے اور اگر مرے تو شہید ہوئے، دونوں حال میں ہم کو

بڑا درجہ اور بلند مرتبہ ملتا ہے، اور ہم سب مل کر حلف اٹھائیں کہ ہم موت سے نہ بھاگیں گے اور جب تک دم میں دم ہے اس لڑائی سے منہ نہ موڑیں گے "

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ سرداروں، نوکروں، چھوٹوں اور بڑوں نے کلام پاک ہاتھوں میں لیکر قسمیں کھائیں کہ وہ میدان جنگ سے کسی حال میں بھی منہ نہ موڑیں گے اور جب لڑائی ہوئی تو ان کو فتح و نصرت حاصل ہوئی، (ہندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام، از خاکسار مرتب ص ۲۹۲-۲۹۰ یہ تقریر تزک بابری اردو ترجمہ ص ۳۱۰-۳۰۹ ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ۱۶، اور طبقات اکبری جلد دوم ص ۲۶ کے مختلف ٹکڑوں کو ملا کر تیار کی گئی ہے۔)

(۷)

رعایا کی حفاظت | بابر کی فوج کوچ کرتی تو اس کی کوشش ہوتی کہ جو علاقے اس کے تصرف میں آچکے ہیں، وہاں کے لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، اور اگر وہ کوئی ظلم و ستم کرتی تو اس کی پوری سزا دیتا، مثلاً ۹۲۵ھ ۱۵۱۹ء میں اس کی فوج بھیرہ میں داخل ہوئی تو وہ لکھتا ہے کہ

" لوگوں نے عرض کی کہ کچھ سپاہیوں نے بھیرہ والوں کو ستایا ہے، اور ان پر ہاتھ ڈالا ہے، فوراً ان سپاہیوں کو گرفتار کر کے بعض کو سزائے موت کا حکم دیا، اور بعض کی ناکیں کٹوا کر تشہیر کرایا، اس ملک کو تو ہم اپنا ہی جانتے تھے، اس وجہ سے اسکو بالکل محفوظ و مامون رکھا، (تزک بابری اردو ترجمہ ص ۲۲۰)

(۸)

حفاظت امانت | بابر شروع ہی سے بڑا ہی انصاف پسند واقع ہوا تھا، دموقع

بہ انصاف اور دیانت سے کام لیتا، ہندوستان کی بادشاہت سے پہلے وہ اندجان میں مقیم تھا کہ ملک خطا کا ایک قافلہ وہاں وارد ہوا، قافلہ پر بجلی گری، اور دو آدمیوں کے سوا سارا مجمع ہلاک ہوگیا، بابر کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے ملازمین کے ایک گروہ کو حکم دیا کہ قافلے کے تمام ساز و سامان جمع کر لئے جائیں، اہلِ قافلہ کا کوئی وارث اس وقت موجود نہ تھا، لیکن بابر نے تمام مال کو احتیاط سے اپنے پاس رکھا اور اطراف و جوانب میں لوگوں کو بھیجکر مردوں کے وارثوں کی تلاش کرائی، دو سال کے بعد وہ حاضر ہوئے تو بابر نے سارا سامان اور مال ان کے سپرد کر دیا، حالانکہ اس زمانہ میں اس کو روپئے اور مال کی بڑی حاجت تھی، (فرشتہ جلد دوم ص ۲۰، و منتخب اللباب از محمد ہاشم خافی خاں ۶۹-۶۸)

(۹)

بہادری کے اصل کارنامے بابر کی بہادری کا حال یہ تھا کہ وہ قلعہ کے کنگروں کو پھاندتا ہوا کر دوڑتا پھرتا، اور کبھی دونوں بغل میں دو آدمیوں کو دبا کر ایک کنگرہ سے دوسرے کنگرہ تک پھاند جاتا، اس نے میدانِ جنگ میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے، لیکن ایک روایت ہے کہ وہ خود کہا کرتا تھا کہ اس کی بہادری کے صرف دو کارنامے ہیں ایک تو یہ کہ کسی جنگ میں ہار کر وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا، اور تھک کر ایک جنگل میں سو رہا تھا کہ یکایک اس کی آنکھیں کھلیں، اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ اس کے سینہ پر کنڈلی مار کر پھنکار رہا ہے، وہ بہت گھبرایا، لیکن یکایک اس نے سانپ کو اپنے دانتوں سے پکڑ لیا، اور اٹھ کر اس کو جھٹک دیا، اس طرح اس کی جان بچی،

ایک دوسرا واقعہ ہے کہ اس کے دربار میں ایک بیرونی سفیر آیا، دربار پورے وقار کے ساتھ جاری تھا کہ بابر کی رانوں میں تکلیف وہ خارش ہونے لگی، اور وہ کھجلانے کے لئے بے تاب ہو گیا، لیکن عین دربار کے وقت کھجلانا تہذیب اور شائستگی کے خلاف سمجھا، اس کی بے چینی بڑھتی گئی، لیکن اس نے آداب دربار کی خلاف ورزی نہ کی، اور جب دربار ختم ہوا تو اس نے اپنی تکلیف رفع کی، اس کو وہ اپنی بہادری کا دوسرا بڑا کارنامہ سمجھتا رہا، (ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے ۱۲-۱۱)

(۱۰)

محبت اولاد

بابر نے ابراہیم لودی پر پانی پت کے میدان میں ۹۱۰ھ میں فتح پا کر آگرہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا تو اس نے یہاں حکومت کر کے اپنی سلطنت کے حدود کو ہندوستان کے پچھم میں بھیرہ پورب میں بہار، اتر میں ہمالیہ اور دکھن میں چندیری تک بڑھایا، ہندوستان میں اس کی حکومت پانچ سال پانچ روز تک رہی، اور یکایک جس طرح وفات پا گیا وہ باپ بیٹے کی محبت کی ایک بہت ہی پُر کیف داستان ہے، اس نے اپنی وفات سے کچھ روز پہلے اپنے بڑے لڑکے ہمایوں کو سنبھل بھیجا، وہاں سے اس کی علالت کی خبر آئی، اس کی علالت کی طوالت سے بابر بہت پریشان ہوا، اور آخر میں جس طرح اپنی جان قربان کی اس کی داستان کچھ اس کی لڑکی گلبدن بیگم اور کچھ ابوالفضل کی زبانی سنئے، گلبدن بیگم ہمایوں کی سوتیلی بہن تھی، لیکن وہ ہمایوں کی ماں کو اپنی ہی ماں کے برابر سمجھتی رہی، وہ اس کو حضرت بیگم اور حضرت آکام کے نام سے یاد کرتی ہے، گلبدن بیگم لکھتی ہے:

اس اثنا میں دہلی سے مولانا محمد فرغلی کا ایک عریضہ آیا جس میں لکھا تھا کہ ہمایوں میرزا بیمار ہیں اور ان کا عجب حال ہوگیا ہے، اس خبر کو سن کر حضرت بیگم جلد از جلد دہلی آجائیں کہ مرزا بہت بیقرار ہیں، یہ معلوم کرکے حضرت آکام بہت بے چین ہوگئیں، اسطرح جیسے پانی کے بغیر کوئی پیاسا ہو، وہ دہلی روانہ ہوگئیں، دونوں کی ملاقات متھرا میں ہوگئی۔ جیسا کہ سنا تھا، اس سے دس گنا زیادہ ہمایوں میرزا کمزور اور مجہول نظر آئے وہاں سے دونوں یعنی ماں اور بیٹے مریم اور عیسیٰ کی طرح آگرہ کی طرف روانہ ہوئے اور جب وہ آگرہ پہنچے تو یہ حقیر اپنی بہنوں کے ساتھ حضرت فرشتہ خصال کی خدمت میں حاضر ہوئی، وہ زیادہ سے زیادہ کمزور ہو رہے تھے، لیکن اس پر بھی جب بیہوشی سے ہوش میں آجاتے تو اپنی زبان درفشاں سے ہم لوگوں کے بارے میں پوچھتے اور فرماتے، بہنو! خوش آمدید! آؤ تم کو گلے لگائیں، اب تک تو تمکو گلے نہیں لگایا ہے، تین مرتبہ سر اٹھاکر اپنی زبان گوہر افشاں سے یہی کہہ کر سرفراز کیا، اور جب حضرت بادشاہ (یعنی بابر) آئے، اور انھوں نے بیماری کا حال معلوم کیا، اور ان کو دیکھا، تو ان کا چہرہ نورافشاں کلفت سے بھر گیا، اور ان پر رقت طاری ہوگئی، اور زیادہ سے زیادہ پریشانی ظاہر کرنے لگے، اس اثناء میں حضرت آکام نے کہا، آپ میرے لڑکے سے غافل ہیں، آپ بادشاہ ہیں، آپ کو کیا غم ہے، آپ کے اور دوسرے لڑکے بھی ہیں، مجھکو غم ہے کہ یہ میرا اکلوتا لڑکا ہے، حضرت بادشاہ نے جواب دیا، ماہم! اگرچہ میرے اور بھی لڑکے ہیں، لیکن کسی کو تمھارے ہمایون کے برابر محبوب نہیں رکھتا ہوں، یہ سلطنت، یہ بادشاہت، اور یہ روشن دنیا صرف اس یگانہ جہاں نادرہ دوراں، کامگار برخوردار فرزند دلبند ہمایوں کے لئے چاہتا ہوں نہ کہ دوسروں کے لیے"

اس کے بعد کی تفصیل ابوالفضل کی زبانی سنئے:

حضرت جہانبانی (ہمایوں) کے معالجہ کی تمام تدبیریں کی گئیں، لیکن مزاج صحت کی طرف رجوع نہ ہوا، جب مرض طویل ہوگیا تو ایک دن حضرت بادشاہ جمنا کے کنارے دانایانِ عصر کے ساتھ بیٹھے، علاج کی تدبیریں سوچ رہے تھے، میر ابوالبقا بڑے افاضلِ روزگار میں تھے، انھوں نے عرض کیا کہ پہلے زمانہ کے عقلمندوں نے بتایا ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ اطبا علاج سے عاجز ہو رہے ہوں تو پھر دوسری تدبیر یہ ہے کہ بہترین چیزیں صدقہ میں دی جائیں تاکہ درگاہ الٰہی سے صحت ہو جائے، حضرت بادشاہ نے فرمایا کہ ہمایوں کے نزدیک میں ہی بہترین چیز ہوں، اور وہ مجھ سے زیادہ اور کوئی چیز قیمتی نہیں رکھتا ہے، میں خود ہی اس کے لئے فدا ہو جاؤنگا، ایزد جہاں آفریں قبول کریں، خواجہ خلیفہ اور دوسرے مقربان بساط نے عرض کیا کہ وہ (یعنی ہمایوں) عنایت الٰہی سے جلد شفا پا جائیں گے، اور آپ کے سایہ دولت میں اپنی عمر طبعی کو پہونچیں گے، ایسی بات اپنی زبان اقدس پر نہ لائیں، پہلے زمانہ کے بزرگوں نے جو کچھ کہا ہے، اس کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بہترین مال دنیا تصدق کیا جائے، وہ بیش قیمت ہیرا جو غیبی طور پر ابراہیم کی جنگ میں ہاتھ آگیا ہے، اور جس کو آپ نے ان (ہمایوں) کو دیدیا ہے، وہی صدقہ کرنا چاہیئے، فرمایا، مال دنیا کیا وقعت رکھتا ہے، جو ہمایوں کا بدلہ ہو سکے، اپنے کو میں فدا کرتا ہوں کہ اس پر سخت وقت آپڑا ہے، اب میری طاقت سے باہر ہے کہ اس کی بے چینی کو دیکھوں، اس کے بعد وہ خلوتِ مناجات میں گئے، اور خاص عبادت کی، جو ایسے پاک طبقہ والوں کے لئے مناسب ہوتی ہے، اور تین بار حضرت جہانبانی جنت آشیانی (ہمایوں) کے گرد چکر لگایا، جب ان کی

دعاؤں کو اجابت کی عزت حاصل ہوگئی، تو انھوں نے گرانی محسوس کی اور فرمایا

برداشتیم، برداشتیم

فوراً ان کو عجیب قسم کا بخار لگیا، حضرت جہانبانی (ہمایوں) کے مرض میں کمی ہونے لگی، اور تھوڑی مدت میں صحت کامل ہوگئی، اور حضرت بادشاہ کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی، اور اختلال مزاج زیادہ ہوتا گیا، . . . . یہانتک کہ ۶ جمادی الاول ۹۳۷ھ کو چار باغ میں جو جمنا کے کنارے سرسبز ہوکر بہار اقبال بنا ہوا تھا، اس عالم بے وفا سے رخصت ہوئے، (تفصیل کے لیے ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص . . . . . ۲، و اکبر نامہ از ابوالفضل جلد اوّل ص ۱۱۷-۱۱۶)

(۱۱)

شگون نیک کی تلاش | بابر نے ہندوستان کی اپنی بادشاہت کے زمانہ میں ہمایوں المتوفی ۱۶۳ھ ۱۵۵۶ء کو کابل بھیجا، وہ یہاں کی حکومت کی ایالت کے زمانے میں ایک موقع پر کابل سے قندھار لشکریوں کے ساتھ روانہ ہوا، اس کی معیت میں اس کے استاد مولانا مسیح الدین روح اللہ بھی تھے، فوج کوچ کر رہی تھی کہ وہ ایک کوہستانی مرغزار کی طرف نکل گیا، اس نے اپنے استاد مولانا مسیح الدین روح اللہ سے کہا کہ نیک آج جن تین آدمیوں　راستے میں ملاقات ہوگی تو ان کے ناموں سے نیک شگون کا پتہ چلے گا، مولانا نے کہا کہ تین کے بجائے ایک ہی سے فال نیک نکالیں لیکن ہمایوں کو تین ہی پر اصرار ہوا اور وہ جیسے ہی آگے بڑھا، تو ایک ادھیڑ آدمی نظر آیا، اس کا نام پوچھا تو اس نے بتایا "مراد خواجہ" وہ آگے بڑھا تو ایک اور آدمی ملا، جو . . . سر پر لکڑیاں لئے جا رہا تھا، اس سے نام پوچھا تو اس نے بتایا، "دولت خواجہ" ہمایوں نے کہا کہ اگر تیسرے آدمی کا نام سعادت خواجہ نکلا تو

یہ عجیب وغریب اتفاقات حسنہ میں ہوگا، جس کے بعد مراد اور دولت کا ستارہ ضرور طلوع ہو کر رہے گا، اور جب ہمایوں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک لڑکا کچھ گائیں چراتے دکھائی دیا، اور جب اس کا نام پوچھا گیا تو اس نے بتایا "سعادت خواجہ"، تمام ہمراہیوں کو بڑا تعجب ہوا، اور ان کو یقین ہو گیا کہ ہمایوں کو مراد اور دولت کی سعادت ازلی حاصل ہو گی۔

ہمایوں جب بادشاہ ہوا تو اس نے اپنے درباریوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا، (۱) اہلِ مراد، اس میں ارباب نشاط شامل تھے، (۲) اہلِ دولت۔ اس میں وزراء، امراء، اعزہ، اقربا اور عہدہ دارانِ لشکر ہوتے، (۳) اہلِ سعادت، اس میں علماء، فضلاء، شعراء اور مشایخ وغیرہ ہوتے، دربار میں اہلِ مراد سوموار اور بدھ کے دن حاضر ہوتے ,, اہلِ دولت اتوار اور منگل کو دربار میں آکر ملتے، اور اہلِ سعادت کیلئے سنیچر اور جمعرات کے دن مقرر تھے (قانون ہمایونی از خوند میر ص ۴۰-۴۴ و تاریخ ہندوستان جلد سوم از ذکاء اللہ ص ۴۹ - ۵۰۲)

(۱۳)

احسان کا بدلہ ہمایوں نے شیر خاں (المتوفی سنہ) کے خلاف چونسہ میں جنگ کی تو ہمایوں کو شکست ہوئی، اسکے لشکریوں نے بھگدڑ میں اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس نے گھبرا کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈالدیا، اور جب وہ ڈوبنے لگا تو ایک سقے نے اسکو بھنور سے نکال کر دریا کے پار کردیا جس کے بعد ہمایوں آگرہ کی طرف روانہ ہوا، اس موقع پر شیر خاں نے یہ شعر کہا۔

سقہ یہ حسن را تو شاہی دہی   سپاہ ہمایوں بہ ماہی دہی[1]

---

[1] یہ شعر اس طرح بھی لکھا گیا ہے،

یکے را بر آری و شاہی دہی   سپاہ ہمایوں بہ ماہی دہی

اور یہ شعر فردوسی کا بتایا جاتا ہے،

ہمایوں نے شکر گذاری کے جذبہ میں سقہ کو ایک روز کی بادشاہت بھی عطا کی (منتخب التواریخ جلد اول ص ۴۵۲)

(۱۳)

اظہارِ بے بسی ہمایوں شیر خاں سے ہزیمت اٹھانے کے بعد پریشان حال پھر رہا تھا کہ اپنی پسماندہ فوج کے ساتھ جیسلمیر پہونچا، وہاں سے بیابان میں پانی کی کمی کی وجہ سے لشکری پیاس سے مرنے لگے، جنگل میں ایک کنواں نظر آیا، مگر اس کنویں پر پانی کے لئے لشکریوں میں ایسا جھگڑا ہوا کہ بہت سے فوجی کنویں میں گر کر ہلاک ہو گئے، ہمایوں نے اس وقت یہ شعر کہا

جہاں زد چاک ما گردوں لباس دردمنداں را   کہ نے دست آستین می یابد و نے سر گریباں را

(۱۴)

نیرنگیٔ روزگار ہمایوں ہندوستان کا تخت و تاج کھو کر شاہ طہماسپ کی دعوت پر ایران جا رہا تھا تو ہرات میں سلطان محمود مرزا نے اس کا استقبال کیا، اور خاص طور پر جشن شاہانہ منایا، صابر قاق خراسان کا ایک مشہور گویا تھا، اس نے اس موقع پر ایک غزل گانا شروع کیا، جس کا مطلع یہ تھا:

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد   ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

جب اس نے یہ شعر گایا:

ز رنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو خرم   کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

تو ہمایوں کے دل پر سخت چوٹ لگی اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے (مآثر رحیمی جلد اول ص ۵۰۵، اکبر نامہ جلد اول، ص ۲۱۴)

(۱۵)

باہمی لطف وکرم ہمایوں نے ایران پہونچنے سے پہلے شاہ طہماسپ کی خدمت میں بہت سے اشعار لکھ بھیجے، جن میں ایک یہ رباعی بھی تھی،

اے شاہ جہاں کہ نہ فلک پایۂ تست	در دست ولایت ہمہ سرمایۂ تست
شاہانِ جہاں جملہ ہما می طلبند	بنگر بہ ہما چگونہ در سایۂ تست

شاہ ایران نے اس کے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجا،

ہمای اوج سعادت بدام ما افتد	اگر ترا گذرے بر مقام ما افتد

اس کے جواب میں ہمایوں نے ایران پہونچ کر شاہ ایران کو پھر ایک رباعی لکھ بھیجی، جس کا ایک شعر یہ تھا،

شاہان ہمہ سایۂ ہما می خواہند	بنگر کہ ہما آمدہ در سایۂ تو

اسی کے ساتھ یہ شعر بھی تھا،

از غدا امیدوارم شاہ بابا آں کند	آنچہ با سلماں علی در دشتِ ارژن کردہ است

یہ اشعار شاہ طہماسپ کو بہت پسند آئے، اور ہمایوں کی بڑی پذیرائی کی،

(منتخب التواریخ جلد اوّل ص ۴۴۵)

(۱۶)

غبار دل کی دوری شاہ طہماسپ نے ہمایوں کی پذیرائی کر کے اس کو اپنے یہاں بھائی بنا کر رکھا، ایرانی امیروں اور درباریوں کو یہ بات ناگوار گذری، اور رفتہ رفتہ شاہ کے کان بھر کر ہمایوں کو اس سے برگشتہ کر دیا، ہمایوں مصیبت کا مارا تھا، بیرم خاں کی صلاح کے مطابق احتیاط مدِ نظر رکھی، اسی دوران میں شاہ طہماسپ کی بہن سلطانہ بیگم

نے شاہ کے حاشیہ نشینوں میں سے قاضی جہاں قزوینی اور حکیم نورالدین سے مل کر شاہ کے دل سے ہمایوں کی طرف سے غبار کدورت کو دور کرنے کی کوشش کی، ایک روز سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی یہ رُباعی شاہ کو پڑھ کر سنائی،

ہستیم ز جاں بندۂ اولادِ علیؓ ہستیم شاد بیادِ علیؓ
چوں سرِ ولایت ز علیؓ ظاہر شد کردیم ورد خود نادِ علیؓ

شاہ طہماسپ اس رُباعی کو سُن کر بے حد خوش ہوا، اور ہمایوں کی جانب سے اس کے دل کی کدورت جاتی رہی، (فرشتہ جلد اول ص ۲۲۰)

(۱۷)

دنیا کی بے ثباتی | اسی غریب الوطنی کے زمانہ میں ہمایوں نے تبریز کی سیر کی، عہد ماضی کے آثار قدیمہ اور سیر گاہیں دیکھیں، ان کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اس کی نظروں کے سامنے پھر گیا، اور اس وقت یہ رُباعی پڑھی،

افسوس کہ سرمایہ بکف بیروں شد وز دست اجل بسے جگرہا خوں شد
کس نامد ازاں جہاں کہ تا پرسم ازو کاحوالِ مسافرانِ عالم چوں شد

(اکبر نامہ جلد اوّل ص ۲۲۰، بزم تیموریہ ص ۲۸)

(۱۸)

ذوق نجوم | ہمایوں کو نجوم و ہیئت سے بھی بڑی دلچسپی تھی، جب کبھی وہ کسی نئے شہر میں داخل ہوتا تھا تو نجوم و ہیئت کے آلات تلاش کرتا تھا، جب اپنی غریب الوطنی میں تبریز پہونچا، تو اپنے ملازم بیگ محمد آختہ بیگی کو کہا کہ یہاں کوئی کرہ تلاش کرو کرہ ایک فلکی آلہ ہے، لیکن فارسی میں گھوڑے کے بچھڑے کو بھی کہتے ہیں، خوش فہم نوکر شاہی

کے حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ چند چھڑے لاکر خدمت شاہی میں حاضر کیے، ہمایوں اس غول بیابانی کو دیکھ کر ہنس پڑا، (اکبر نامہ جلد اول ص ۲۲۲)

(۱۹)

عقائد کی وضاحت ہمایوں ہندوستان کی تسخیر کے لئے دوسری بار روانہ ہوا تو شیخ حمید سنبلی مفسر قرآن اس کے استقبال کے لئے کابل پہنچے، ہمایوں کو ان سے بڑا اعتقاد تھا، ایک روز شیخ حمید نے جذبے سے مغلوب ہو کر ہمایوں سے پوچھا کہ اے بادشاہ! یہ کیا بات ہے کہ تمہارے لشکر میں صرف رافضی ہی کو دیکھتا ہوں، ہمایوں نے کہا کہ آپ ایسی بات کس بنیاد پر کہتے ہیں، اور کیا ماجرا ہے،؟ انھوں نے کہا اس مرتبہ آپ کے تمام لشکریوں کے نام یار علی، کفش علی، اور حیدر علی پاتا ہوں اور کوئی نام کسی اور خلیفہ کے نام پر نہیں، ہمایوں کو غصہ آگیا، اس کے ہاتھ میں قلم تھا، اس نے اس کو زمین پر دے مارا اور کہا کہ میرے دادا کا نام تو عمر شیخ ہے، اور کچھ نہیں جانتا، یہ کہہ کر وہ محل سرا میں چلا گیا، واپس آیا تو بڑی ملامت اور نرمی سے شیخ کو اپنے صحیح عقائد سے آگاہ کیا، (منتخب التواریخ جلد اول ص ۴۶۸)

(۲۰)

بوئے موت ہمایوں کی وفات کے دن جب قریب آئے، تو ایک روز اس نے کہا کہ آج صبح کی نماز کے بعد ملہم غیبی نے یہ رباعی سنائی،

یارب بکمال لطف خاصم گرداں　　واقف بحقائق خواصم گرداں

از عقل جفاکار دل افگار شدم　　دیوانہ خود خواں خلاصم گرداں

اور اس کو پڑھ کر رونے لگا، ان دنوں ہمیشہ وہ کہتا کہ عالم فانی سے بوئے موت آتی ہے، چنانچہ محل کے طاق پر شیخ آذری کا یہ مطلع نہایت خوشخط لکھا پایا۔

شنیدہ ام کہ برین تلاطم زدہ اندوہ است — خطے کہ عافیت کار جملہ محمود است

(اکبرنامہ جلد اول ص ۶۳ - ۳۶۲)

(۲۱)

دورِ جمالی و جلالی ہمایوں کے زمانہ میں حضرت غوث گوالیاریؒ (المتوفی ۹۷۰ھ ۱۵۶۲ء) شطاریہ سلسلے کے بڑے برگزیدہ اور ممتاز بزرگ تھے، ہمایوں کو حضرت غوث گوالیاریؒ اور ان کے بھائی شیخ بہلولؒ سے بڑی عقیدت تھی، اس نے طریق دعوت اسماء انہی بزرگوں سے سیکھا تھا۔
(منتخب التواریخ جلد سوم ص ۴)

ہمایوں جب شیر شاہ سے شکست کھا کر ہندوستان چھوڑنے لگا، تو اس نے حضرت غوث گوالیاریؒ کو ایک مکتوب لکھا جس کے کچھ ٹکڑے یہ ہیں:

قدیم مزل نے آپ اور دوسرے بزرگوں کی توجہ سے مشکلوں سے آسانی نکال لیا اور جو کچھ فتنہ انگیز زمانہ میں پیش آیا، اس سے آزادی اور دل کی تیرگی تو پیدا نہ ہوئی البتہ جناب کی قربت سے محرومی ہو گئی، ہر دم اور ہر قدم پر اس فکر میں تھا کہ اس دو ہرشت انسان (یعنی شیر شاہ مراد ہے) نے آپ کی ذات ملکوت صفات کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہوگا لیکن جب یہ سنا کہ آپ بھی ان ہی دنوں گجرات ہجرت فرما گئے ہیں تو دل کو اس اندوہ کی گرفتاری سے کچھ رہائی ہوئی، امید ہے کہ جس طرح فضل خداوندی کے فیض سے آپ اس آفت کے تنگنائے سے باہر آکر اس اندوہناکی سے آزاد ہو گئے ہیں، اسی طرح ظاہری مفارقت سے بھی خلاصی بخشے گا۔

سبحان اللہ! اس رہنمائے حقیقی کی دلنشین تلقین کا کس طرح شکریہ ادا کروں، جسم بظاہر بہت سی پریشانیوں میں مبتلا ہے، لیکن قلب کی وحدت اور جمعیت میں ذرہ

برابر قصور اور فتور واقع نہیں ہوا، راستہ بھی آیا، اور قافلہ بھی روانہ ہوا۔

اس کے جواب میں حضرت غوث گوالیاری نے تحریر فرمایا،

نامۂ نامی سلطانی اور صحیفہ گرامی ہمایونی کا آنا مبارک، اس نے مخلصوں کو زندگانی بخشی، ملازمین رکاب دولت کو نوید صحت وعافیت بھی ملی، جو کچھ لکھا ہے، در حقیقت ایسا ہی ہے، اس میں کسی قسم کا تکلف نہیں ہے، ع

سخن کز دل برون آید نشیند لاجرم در دل

خدا کرے آپ اپنی سرگذشت کی اندوہناکی سے پریشان نہ ہوں، ع

در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست

جب کبھی حق سبحانہ تعالیٰ اپنے سعادت مند بندہ کو کمال کے درجہ تک پہونچانا چاہتا ہے، تو جمال اور جلال دونوں اسمار سے پرورش کرتا ہے، ایک دور جمالی گذر گیا، اب جلالی کا دور ہے،

فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا

جلدی جمال کی نوبت پہونچے گی، عربی قاعدہ کے رو سے ایک عسر دو یسر کے درمیان واقع ہوا ہے، اور چونکہ سطح محاط مسافت دائرہ کے اعتبار سے محیط ہے اسلئے عنقریب عروس مراد منصۂ ظہور پر جلوہ ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ،

یہ گویا ہمایوں کے لئے ہندوستان کی دوبارہ تسخیر اور بادشاہت کی بشارت تھی، جو پوری ہوئی (یہ خطوط شاہ محمد غوث گوالیاری، مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد، گورنمنٹ کالج میرپور خاص مغربی پاکستان سے لئے گئے ہیں،

ص ۱۵۰۔ ۹ ۴)

(۲۲)

بزرگانہ اوصاف　حضرت غوث گوالیاری کے متعلق ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں،

وہ شیخ ظہور اور حاجی حضور عرف حاجی حمید کے مرید تھے سلسلۂ شطاریہ میں ان کا نسب سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامی قدس اللہ روحہ سے ملتا ہے، ابتدائی زندگی میں بارہ سال تک چنار پہاڑ کے دامن میں رہ کر اس نواح میں بڑی ریاضت کی، غاروں میں ان کا مسکن ہوتا، اور درخت کی پتیاں ان کی غذا ہوتی، علم دعوت اسمار کے معتقد اور بڑے صاحب تصرف وجذب تھے، اس علم کی اجازت اپنے بڑے بھائی شیخ بہلول سے حاصل کی تھی، جو بڑے صاحب کرامات وخوارق تھے ہمایوں بادشاہ مغفرت پناہ کو ان دونوں بزرگوں سے ایسی عقیدت اور اخلاص تھا، کہ کسی دوسرے سے کم رہا ہوگا ان ہی بزرگوں سے انھوں نے طریق دعوت اسما سکھا ہمایوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد شیر شاہ، شیخ محمد غوث کے درپے آزار ہو گیا تو انھوں نے گجرات کا سفر اختیار کیا، وہاں کے حکام اور سلاطین بھی ان کے اطاعت گذار ہو گئے اور ان کی خدمت میں رہتے۔

شیخ کے کمالات اور کرامات کا ثبوت یہ ہے کہ میاں شیخ وجیہ الدین جیسے متبحر عالم ربانی ان کے اطاعت گذار ہو گئے، اور دہلی، گجرات اور بنگال کے بہت نامور مشائخ اور بزرگ ان کے دامن فیض سے پیدا ہوئے، ان کے کمالات کے آثار ہندوستان میں ابتک باقی ہیں،

میں نے ان کو ۹۶۶ھ میں آگرہ کے بازار میں دور سے دیکھا، وہ بڑے گھوڑے پر سوار تھے، ان کے آگے پیچھے بڑا ازدحام تھا، اس سے ہو کر گذرنا مشکل تھا

وہ اپنی نہایت تواضع میں دائیں بائیں لوگوں کے سلام کا جواب دیتے، ان کو ایک لمحہ بھی قرار نہ تھا، سلام کرتے وقت ان کی پیٹھ زمین کے قریب ہو کر زمین سے لگ جاتی تھی،

اسی سال وہ گجرات سے آگرہ گئے، اور بادشاہ (یعنی اکبر) کو اس کی صغر سنی میں تحریص و ترغیب دیکر اپنے سلک ارادت میں منسلک کر لیا، لیکن وہ کچھ ہی دنوں کے بعد ان کا منکر ہو گیا، شیخ کو خانخاناں بیرم خاں اور شیخ گدائی کی صحبت پسند نہ آئی، اور وہ رنجیدہ ہو کر گوالیار چلے گئے، اور وہاں مریدوں کی تکمیل میں مشغول ہو گئے، ایک خانقاہ بنوائی، جہاں سماع، سرود اور وجد کا شغل رکھا، انھوں نے اس پر کچھ تصنیف بھی کیا ہے۔ بلباس فقر بڑا جاہ و جلال رکھتے، ان کی مدد معاش کے لئے ایک کروڑ تنگے مقرر تھے، جس کو دیکھتے خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس کی بڑی تعظیم کرتے، اسی لئے بعض اہلِ فقر ان کی ملامت اور مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کی نیت کیا تھی،

چوں رد و قبول ہمہ در پردۂ غیب است زنہار کسی را مکنی عیب کہ عیب است

۹۷۰ھ میں اسی سال کی عمر میں آگرہ میں رحلت فرمائی، گوالیار میں مدفون ہیں، مزاج میں بڑا انکسار تھا، کہا جاتا ہے کہ کبھی اپنی زبان پر "میں" کا لفظ نہ لاتے، اپنے کو ہمیشہ فقیر کہتے، غلہ کی بخشش کرتے وقت فرماتے کہ فلاں کو اتنا "م" اور "ن" کو دید و تاکہ "من" نہ کہنا پڑے، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ، (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۶-۴)

(۲۳)

ظاہری و باطنی کمالات ہمایوں طبعاً مذہبی واقع ہوا تھا، پھر بزرگانِ دین سے مستفیض ہوتا رہا، اس کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں،

"اس کو ظاہری اور باطنی بہت سے کمالات و فضائل حاصل تھے، وہ نجوم و ہیئت اور دوسرے علوم میں بے نظیر تھا، اہل فضل و کمال کا مربی رہا، اہل تقویٰ و صلاح کی طرف بھی رجوع کرتا رہتا، شعر و شاعری کی طرف بھی رغبت تھی، خود بھی اچھے شعر کہتا، کبھی بے وضو نہ رہا، خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بے طہارت نہ لیتا،

اعتقادے درست دار چنانک | اعتمادت بداں بگر درست
بندہ رابے نتک از عذاب خدائے | نرہاند جز اعتقاد درست

اگر کسی ایسے نام کو لینے کی ضرورت پڑتی جو عبد اور اسمائے حسنیٰ سے مرکب ہو، جیسے عبداللہ وغیرہ تو ایسی حالت میں صرف عبد کہنے پر اکتفا کرتا، مثلاً عبدالحی کو صرف عبدل کہتا، اپنے رقعات کے سرنامہ پر بجائے لفظ "ہو" کے صرف دو الف (اا) لکھدیتا، کیونکہ گیارہ لفظ "ہو" کے اعداد ہیں، اسی طرح اور دوسری باتوں میں آداب کی رعایت اس طرح رکھتا کہ یہ پیدائشی صفت بن گئی تھی،

رات رات بھر وہ درویشوں کی صحبت میں گذارتا، ان کی تواضع میں کوئی کسر باقی نہ رکھتا، ہندوستان کی تمام آمدنی بھی اس کے خرچ کے لئے کافی نہ تھی، اس کے امرا اس کے سونے کا نام نہ لیتے، کیونکہ ان کو ڈر رہتا، کہ وہ ان کو بخشش میں دیدیگا، باپ کی طرح وہ بھی خزانہ جمع کرنے کی فکر میں نہ رہتا، اس کی زبان مبارک پر کبھی فحش اور گالی کے الفاظ نہ آتے، اگر کسی پر بہت غصہ آتا تو صرف اتنا کہتا «سے سفیہ (نادان) گھر یا مسجد کے اندر داخل ہوتا تو کبھی غلطی سے بھی بایاں پاؤں پہلے نہ رکھتا، اگر کوئی اسکی مجلس میں بایاں پاؤں آگے بڑھا کر داخل ہوتا، تو وہ کہتا کہ بایاں ہاتھ جے، اور اسکو واپس کر دیتا، اور پھر داخل ہونے کو کہتا، اپنی نہایت حیا میں ہنستے وقت لب کھلنے نہ

اور کسی کو تیز نگاہوں سے نہ دیکھتا،، (منتخب التواریخ جلد اول ص ۶۸-۴۶۷)

(۲۴)

شاہانہ مجلس کی حاضر جوابی ہمایوں کا رفیق ہمدم بیرم خاں خانخاناں تھا، جو اس کی مصیبت اور بادشاہت کے زمانے میں برابر رفاقت کرتا رہا، ایک رات ہمایوں بیرم خاں سے مخاطب تھا کہ بیرم خاں پر غنودگی طاری ہوگئی، ہمایوں نے بیرم خاں کو جھنجھوڑ کر کہا ہاں بیرم میں تم سے گفتگو کر رہا ہوں، بیرم نے جواب دیا، ہاں میرے بادشاہ میں حاضر ہوں، لیکن میں نے سنا ہے کہ بادشاہوں کے سامنے آنکھوں کی، درویشوں کے سامنے دل کی اور عالموں کے سامنے زبان کی حفاظت کرنی چاہئے، میں یہ سوچ رہا تھا کہ آپ بادشاہ بھی ہیں، درویش بھی، عالم بھی، کن کن چیزوں کی حفاظت کروں، ہمایوں کو یہ جواب بہت پسند آیا (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۹۲)

(۲۵)

شوق ملاقات ہمایوں نے خانخاناں بیرم خاں کو کامران کے خلاف قندھار کی مہم پر بھیجا تو بیرم خاں نے قندھار کا قلعہ فتح کر لیا، اس فتح پر ہمایوں نے ایک نظم لکھ بھیجی، اور اسی کے ساتھ بیرم خاں سے ملنے کا اشتیاق بھی یہ رباعی لکھ کر ظاہر کیا،

اے آنکہ انیس خاطر محزونی　　　چوں طبع لطیف خویشتن موزونی

بے یاد تو من نیم زمانے ہرگز　　　اما تو بیاد من محزوں چونی

اس کے جواب میں بیرم خاں نے بھی اپنے شوقِ ملاقات اور بیچینی کا اظہار ایک رباعی میں لکھ کر بھیجا،

اے آنکہ بذات سایہ بیچونی　　　از ہر چہ ترا وصف کنم افزونی

چوں می دانی کہ بے تو چوں می گذرد چوں می پرسی کہ در فراقم چونی

(مآثر الامراء جلد اول ص ۳۸۲)

(۲۶)

احترام، احساس شناسی و بے نیازی

ہمایوں قندھار جا کر بیرم خاں سے ملا، تو وہاں کے ایک مولانا زین الدین محمود کمان گر بہدائی کی خدمت میں بیرم خاں کے ساتھ حاضر ہوا کرتا تھا، وہ بڑے بڑے بزرگوں اور عالموں کی صحبت میں رہ چکے تھے، بیرم خاں ان کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا،

ایک بار ہمایوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کھانا پکوایا، اور مولانا زین الدین محمود کو بھی مدعو کیا، مولانا کا ہاتھ دھلاتے وقت ہمایوں نے اپنے ہاتھ میں آفتابہ اور بیرم خاں نے طشت اٹھایا، اسی حال میں مولانا نے سید جمال الدین محدث کے پوتے میر حبیب اللہ کی طرف اشارہ کیا، اور ہمایوں ان کی طرف بھی آفتابہ لے کر بڑھا، میر حبیب اللہ گھبرا گئے، اور تھوڑا سا پانی اپنے ہاتھ پر ڈال لیا، لیکن مولانا نے بہت کافی پانی سے اپنے ہاتھ دھوئے، اس موقع پر ہمایوں نے مولانا سے پوچھا، کتنے پانی سے ہاتھ دھونا مسنون ہے، مولانا نے فرمایا "جس قدر پانی سے ہاتھ اچھی طرح دھل جائیں، مجلس کے کچھ اور لوگوں کے ہاتھ خانخاناں بیرم خاں اور حسین خاں نے دھلوائے، اس کے بعد کھانا شروع ہوا، ہمایوں کو یہ صحبت بہت پسند آئی، اس نے بیرم خاں کے ذریعہ مولانا زین الدین کو کچھ نقد نذرانے بھی پیش کئے، مولانا کسی سے نذرانے قبول نہیں کرتے تھے، اس لئے ان کو قبول کرنے میں تامل ہوا، لیکن جب اصرار کیا گیا تو کراہت سے اسکو قبول کر لیا، اس کے بدلے میں اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی بہت سی کمانیں ہمایوں کے پاس بھجوا دیں، جو نذرانے سے

زیادہ قیمت کی قمیص اور کہلا بھیجا کہ جیسے دونوں طرف سے بھیجے اور بھجوائے جاتے ہیں،

ایک روز خانخاناں بیرم خاں ایک عمدہ کشمیری شال لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا، مولانا نے اس کو چھو کر فرمایا، بہت ہی نفیس ہے، بیرم خاں نے کہا یہ درویشانہ شال ہے، آپ کی نذر کرتا ہوں، مولانا نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے، فرمایا کہ میرے پاس دو تہ کی چادر موجود ہے، اس کو کسی اور مستحق کو دو، (منتخب التواریخ جلد اول ۴۲۵)

(۲۷)

استغنا شیخ میاں قاضی خاں ہمایوں کے زمانہ کے ایک بڑے برگزیدہ بزرگ تھے، ظفرآباد میں رہتے تھے، شیخ حسن طاہر کے مرید اور خلیفہ تھے، تیس سال تک راہ سلوک میں مجاہدہ و ریاضت کرتے رہے، پھر بھی فرماتے کہ تیس سال ریاض کرنے کے بعد تب کہیں نفس کی مکاریوں کا تھوڑا سا علم حاصل ہوا، اور اس پر صرف یہ معلوم ہو سکا کہ نفس کس طرح ڈاکہ ڈالتا ہے، اور اس کی کمین گاہیں کہاں کہاں ہیں، ہمایوں ان کا معتقد ہو گیا تھا، اس اعتقاد میں وہ ان کو نذریں دینے کی کوشش کرتا، لیکن وہ قبول نہ کرتے، ایک مرتبہ اس نے ان کے پاس ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگا کر بھیجدی کہ وہ جتنے مواضع اور جتنی زمین چاہیں اپنے لئے اس پر لکھ لیں، لیکن انھوں نے کچھ قبول کرنے سے انکار یہ کہہ کر کیا کہ مجھکو اس کی ضرورت نہیں، اور بلا ضرورت کسی کا حق مار کر فائدہ اٹھانا جائز نہیں، میں نے اپنے پیر سے یہ عہد لیا ہے کہ

از خدا خواہم وز غیر نخواہم بخدا
کہ ہم بندۂ غیرے نہ خدائے گراست

شاہی قاصدوں نے ان سے کہا کہ اگر آپ قبول نہیں فرماتے، تو اپنے لڑکوں کو دیدیں ان کو ضرورت ہو گی، اس کا جواب دیا وہ چاہیں لیں یا نہ لیں، میں ان کو کوئی حکم نہیں

دیتا تھا۔ شاہی قاصدوں نے لڑکوں کی طرف رجوع کیا، تو وہ بولے ابا زادہ ہے، جو باپ کے نقش قدم پر گامزن رہے۔ (اخبار الاخیار ص ۲۱۹-۲۱۸)

(۴۸)

سماع کا تاریک پہلو: ہمایونی عہد میں میر سید ابراہیم بن معین عبد القادر الحسنی القادری الایرجی اپنے زمانہ کے بڑے مشہور بزرگ تھے، اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے کہ ان کے زمانے میں دہلی میں کوئی شخص علم و دانش میں ان کے برابر نہ تھا وہ گوشہ نشین ہو کر مطالعۂ کتب کرتے رہتے، مجلس سماع کو پسند نہ کرتے، ایک بار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے عرس کے موقع پر ان کے ایک ہم عصر بزرگ شیخ رکن الدین بن عبد القدوس ان کے پاس آئے، اور عرس کی مجلس سماع میں شرکت کرنے کی دعوت دی، میر سید ابراہیم نے وہاں جانے سے انکار کیا، لیکن شیخ رکن الدین سے کہا کہ وہ حضرت خواجہ قطب الدین کے مزار کے پاس جاکر مراقبہ کریں اور معلوم کریں کہ اس قوالی کے متعلق ان کا کیا خیال ہے۔ قوالی کی مجلس گرم تھی، تمام شرکاء جوش و خروش میں تھے کہ شیخ رکن الدین کو کشف ہوا کہ حضرت خواجہ قطب الدین فرما رہے ہیں کہ بد بختوں نے میرا دماغ کھا لیا ہے، اور میرا وقت برباد کر رہے ہیں، شیخ رکن الدین نے میر سید ابراہیم سے اپنا یہ کشف سنایا، تو انھوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا "اب آپ مجھ کو مجلس سماع کی شرکت سے معذور رکھیں گے یا نہیں، ان کی وفات ۹۵۳ھ میں ہوئی۔ ان کا مزار حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مقبرہ کے پاس حضرت امیر خسرو کے پائیں میں ہے،

(اخبار الاخیار ص ۲۳۵-۲۳۴ و ۲۴۲)

(۲۹)

تفسیری نکتہ خانخاناں بیرم خاں فقرا، اور مشائخ کا معتقد رہا، بڑا صاحبِ کمال نیک اندیش، پابند اوقات اور رقیق القلب تھا، کبھی جماعت اور جمعہ کی نماز قضا نہیں کی، اس کی فیاضی پر زمانہ کو فخر تھا،

اس کی مجلس میں ہمیشہ اللہ اور رسول کا ذکر رہتا، ایک دن سیکری میں ایک گوشہ نشین درویش سے ملنے کے لئے گیا، ان سے تعز من تشاء و تذل من تشاء کا مطلب پوچھا، وہ نہ بتا سکے تو خود ہی اس نے اس آیت کی وضاحت اس طرح کی،

تعز من تشاء بالقناعۃ و تذل من تشاء بالسوال

تو عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے قناعت کے ذریعہ اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، سوال کے ذریعہ،

(منتخب التواریخ جلد دوم ص ۴۶ و جلد سوم ۱۹۰)

(۳۰)

ارباب فن کیساتھ فیاضی خانخاناں کی فیاضی کا حال یہ تھا کہ اس کو اپنے زمانہ کے ایک شاعر ہاشمی قندھاری کی یہ غزل پسند آگئی،

من کیستم عنان دل از دست دادہ　　وز دست دل براہ غم از پا فتادہ
دیوانہ وار در کمر کوہ گشتہ　　بے اختیار سر بہ بیاباں نہادہ
گاہے چو شمع ز آتش دل در گرفتہ　　گہ چو [illegible] دہ
بیرم ز فکر اندک و بسیار ما ز غم　　ہرگز شگفتہ یم کہ یا ز پا دہ

خانخاناں بیرم خاں نے اس غزل کو ایک لاکھ تنکے میں شاعر سے خرید لی،

اسی طرح رام داس لکھنوی کو اس نے ایک مجلس میں ایک لاکھ تنکہ . . . ب

سلیم شاہ کے گویوں میں تھا، موسیقی میں اس کو تان سین ثانی کہا جاتا ہے، خانخاناں کے جلوت وخلوت میں برابر ساتھ رہتا تھا،

اسی طرح جماز خاں بدایونی نے خانخاناں کے لئے ایک قصیدہ لکھا تو خانخاناں نے خوش ہو کر اس کو ایک لاکھ تنکے انعام میں دیئے، (منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۴۲-۴۱)

(۳۱)

شیر دلی شیر شاہ کا اصل نام فرید خاں تھا، اس کی زندگی میں بڑا نشیب و فراز رہا، اپنی ابتدائی زندگی میں بہار میں بہار خاں ولد دریا خاں لوحانی کا ملازم ہو گیا تھا، جس نے بہار میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوا کر سلطان محمد کا لقب اختیار کر لیا تھا، فرید خاں اپنے حسن خدمات کی بنا پر سلطان محمد کا بڑا مقرب ہو گیا، ایک روز سلطان محمد شکار میں گیا، فرید بھی ساتھ تھا، یکایک شیر نمودار ہوا، فرید نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، اور اپنی تلوار سے اس پر اتنی ضربیں لگائیں کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، سلطان نے اس کو سربلند کر کے شیر خاں کا خطاب دیا، اس کے بعد سے فرید شیر خاں ہو گیا، (تاریخ داؤدی از عبداللہ، علی گڈھ اڈیشن ص ۱۱۱)

(۳۲)

سیاسی بصیرت شیر خاں کچھ دنوں کے بعد ظہیر الدین محمد بابر کے لشکر میں ملازم ہو گیا، بابر جب چندیری کی مہم میں جا رہا تھا، تو وہ بھی اس کی معیت میں تھا، اس نے مغلوں کے طور وطریق دیکھے تو ایک روز اپنے دوستوں سے کہا کہ مغلوں کو ہندوستان سے ذربدر کرنا نہایت آسان ہے، اس کے دوستوں نے کہا یہ کس دلیل سے کہتے ہو، شیر خاں نے کہا کہ ان کے بادشاہ معاملات کو خود نہیں دیکھتے، اپنے امراء اور وزراء پر چھوڑ دیتے ہیں، اور وزراء رشوت لے کر سلطنت کا حق ادا نہیں کرتے، افغانوں میں عیب یہ ہے کہ ان میں باہمی نفاق ہے، اگر میرا بس چلے

تو ان افغانوں کو متحد کروں، ان کے نفاق کو دور کروں، شیر خاں کے دوستوں نے اسکی بات سن کر اس کا تمسخر اڑایا، لیکن اس نے جو کچھ کہا تھا اس کو عمل میں لا کر دکھا دیا، (تاریخ داؤدی ص ۱۳۷)

(۳۳)

جسارت | ایک روز شیر خاں بابر کے ساتھ دسترخوان پر شریک تھا، کھانے میں شیر خاں کے سامنے بکری کی ایک ران تھی اس کے کاٹنے میں شیر خاں کو دقت پیش آئی تو اس نے شاہی دسترخوان کے آداب کا خیال کئے بغیر خنجر نکال کر ران کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اور اس کو کھانا شروع کر دیا، بابر نے شیر خاں کی یہ جسارت دیکھی تو اس نے اپنے مدار السلطنت خلیفہ سے کہا کہ اس افغان نے تو عجیب کام کیا گویا اس کا اشارہ تھا کہ وہ آگے چل کر عجیب کام انجام دیگا، اور اسے انجام دیا (تاریخ داؤدی ص ۱۳۸)

(۳۴)

پاکبازی | شیر خاں رفتہ رفتہ بہار اور جونپور کے کافی علاقوں پر قابض ہو گیا، وہ جھار کنڈ کی مہم میں تھا، اس کے لشکریوں کو مال غنیمت میں ایک بہت ہی حسین لڑکی ہاتھ آئی جو مورخوں کے بیان کے مطابق عجیبۂ روزگار کی ایک تصویر تھی، شیر خاں کے پاس پیش کی گئی، تو اس نے کہا کہ بلا اس کے سامنے نہ آئے، اس کے مقربوں نے کہا کہ آپ اس کو بلا کیسے کہتے ہیں، جب کہ آفتاب اور ماہتاب بھی اس کو دیکھ کر شرما جائیں، شیر خاں نے کہا کہ اگر اسکو اپنے گھر میں رکھونگا تو پھر دنیا سے باز آجاؤنگا فحوائے اسکا سن بھی نہیں سکا (تاریخ داؤدی ص ۱۴۳)

(۳۵)

احترام عصمت | ہمایوں اور شیر خاں کی جنگ چونسا کے میدان میں ہوئی تو میدان جنگ

ہی میں شیر خاں نے خواب میں دیکھا، کہ ہمایوں بادشاہ نے اس کو زیر کرکے زمین پر ڈال دیا ہے اور خود اوپر (بالا) ہو گیا ہے، اس نے لوگوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی، کسی نے نہیں بتائی تو اس نے خود کہا کہ ہمایوں بادشاہ نے مجھ کو زمین پر ڈالدیا ہے، تو اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ زمین کو میرے ہاتھ میں ڈال کر ملک کے بالائی حصہ میں چلا جائیگا، یہ تعبیر بتا کر کہا کہ انشاء اللہ مغلوں سے ملک واپس لونگا، چونسا کی لڑائی میں ہمایوں کو شکست ہوئی، وہ میدان جنگ میں اپنی بیگمات کو پیچھے چھوڑ گیا جو شیر خاں کے ہاتھوں اسیر ہو گئیں لیکن شیر خاں نے ان کو بہت ہی عزت کے ساتھ رہتاس کے قلعہ میں رکھا، اور پھر کابل پورے احترام کے ساتھ بھیجدیا، (تاریخ داؤدی ص ۱۲۶)

(۳۶)

رعایا پروری شیر خاں چونسا کی فتح کے بعد افغانوں کے مشورہ سے تخت پر بیٹھا، اور شیر شاہ ہوا، جس روز مسند حکومت پر بیٹھا تو اپنی شکل آئینہ میں دیکھکر اپنے مقربوں سے کہا کہ شام کی نماز کے وقت سلطنت ملی، اس پر افسوس کیا، تخت نشینی کے روز اپنے ساتھیوں کو اچھے مناصب دیکر ان کو سربلند اور سرفراز کیا،

تخت نشینی ہی کے روز اس نے حکم دیا کہ ہر ایک کروہ پر سرائیں بنائی جائیں، ہر سرائے میں ایک مسجد، ایک کنواں اور ایک گھر ہو، جو سب پختہ ہوں، وہاں کے لئے وظیفے مقرر کئے، ایک شقدار مامور ہوا، ہر دروازہ پر پانی سے بھرے ہوئے مٹکے کے علاوہ پکا ہوا کھانا مسلمانوں کے لئے موجود رہتا، اور دوسرے دروازہ پر غلہ اور پانی کے مٹکے ہندوؤں کے لئے ہوتے، سرائے کے لئے بھٹیارے مقرر کئے گئے، امام اور قاری بھی ہوتے، ان کے وظیفے بھی مقرر تھے، مسافروں سے کوئی اجرت یا خدمت نہیں

لی جاتی تھی

اس کے زمانے میں راستوں کے امن وامان کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی بڑھیا سونے کی ٹوکری لیکر جنگل میں رہجاتی تو اس کو کسی پاسبان کی احتیاج نہ ہوتی، شیر شاہ کے زمانہ حکومت میں کہیں رہزنی اور چوری نہیں ہوئی، اگر کہیں ہوجاتی تو چاروں طرف کے مقدم اس جگہ کے ہر فرد سے سامان کی قیمت وصول کرتے، اس طرح تمام لوگوں کی کوشش ہوتی کہ کہیں چوری نہ ہو، اور اگر ہوتی تو وہ چور کو معلوم کر لیتے،

اس نے ایک لنگر خانہ بھی قائم کر رکھا تھا، جہاں وہ روزانہ پانچ تولے سونا فقرار اور مستحقین کے لئے بھجوایا کرتا تھا، اس کا مطبخ بھی بڑا وسیع تھا، جہاں کئی ہزار آدمیوں کو روزانہ کھانا ملا کرتا تھا، اس کا حکم تھا کہ جس وقت جو کوئی جو کچھ کھانا چاہے شاہی باورچی خانہ سے کھلایا جائے، شیر شاہ خود علمار اور مشائخ کے ساتھ کھانا کھاتا، اس نے یہ شعر خود کہا تھا، جو اس کی انگوٹھی کے نگینہ پر لکھا تھا،

شہ اللہ باقی ترا باد دائم ہماں شیر شاہ بن حسن سور قائم

(تاریخ داؤدی ص ۱۳۰-۱۲۶)

(۳۷)

اوقات کا صحیح مصرف شیر شاہ ہر وقت حکومت کے کاموں میں لگا رہتا، کسی وقت بیکار نہ ہوتا، رات کے آخر وقت میں سو کر اٹھتا تو غسل کرنے کے بعد نماز ادا کرتا، پھر ارکانِ دولت کو بلاتا، روز روز کے واقعات سنتا، رات کی چار گھڑی تک تمام کاغذات اس کے سامنے ہوتے، ملک اور کارخانہ جات کے تمام وقائع اس سے عرض کئے جاتے، سب کے جوابات دیتا، ان کے لئے حکم جاری کرتا، جس کو

وقائع نویس لکھ لیتے، اس پر پورا پورا عمل کیا جاتا، فجر کی نماز بڑی جماعت کے ساتھ ادا کرتا، اور اوراد اور مستحبات میں مشغول رہتا، پھر مقرب امراء اور نامور سپاہی سلام کے لئے حاضر ہوتے، ان سے فوجیوں اور گھوڑوں کے داغ کا حال پوچھتا،

تخت پر بیٹھ کر لشکر کا عرض (معائنہ) کرتا، اور ہر جوان کے علوفہ کا حکم دیا، گھوڑوں کے داغ کو خود دیکھتا، گھوڑوں کے جلے ہوئے بال سے بدبو آتی، خدمت گار ہر وقت ایک رومال کو گلاب میں تر کر کے اس کو دیا کرتے، جس کو وہ منہ پر رکھ لیتا، اس کے ایک مقرب نے کہا کہ حکم ہو تو داغ کئے ہوئے گھوڑے کچھ فاصلے پر رکھے جائیں، شیر شاہ نے جواب دیا کہ میرا سابقہ بابر بادشاہ کے بیٹے سے ہے، اگر اس قسم کی احتیاط کو چھوڑ دوں تو عہدہ برآ نہ ہو سکوں گا، جب یہ بات ہمایوں بادشاہ تک پہونچی تو اس نے کہا کہ یہ سارے کام جو شیر شاہ سے ظہور میں آتے ہیں بادشاہوں سے نسبت نہیں رکھتے، ابھی تک اس سے قلفچی گری (شاہی خدمت گاری) کی بو نہیں گئی ہے، شیر شاہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے جواب میں کہا کہ ہمایوں بادشاہ کو اس سے معذور سمجھنا چاہئے، اس لئے کہ اس کا سابقہ ملائکہ سے ہے، میرا سابقہ اجنہ سے ہے،

آدھے دن تک شیر شاہ کا یہی شغل رہتا، جہاں سے جس وقت خزانہ آتا، اسی وقت دیکھتا، اور اپنے سامنے خزانہ کا عرض کراتا اور عمال کا حساب بھی اسی وقت ہوتا، تمام صوبوں کے امراء کی عرضیاں بھی اسی وقت اس کی نظر سے گذرتیں اور ان کا جواب فارسی میں لکھواتا، جو فرمان ہو جاتا، امراء اور زمیندار جو آستانہ بوسی کے لئے آتے اسی وقت حاضر کئے جاتے،

(تاریخ داؤدی ص ۱۲۹-۱۲۸)

(۳۸)

طالب علم کیساتھ حسن سلوک شیر شاہ پنجاب میں خوا شند (؟) پہونچا تو وہاں ٹھہر گیا، اور حکم دیا کہ پنجاب میں جن لوگوں کے معاش میں کمی ہے، ان کو زیادہ دیا جائے، تمام لوگ جمع ہوئے، ایک روز شیر شاہ وہاں فجر کی نماز کے بعد حت پر بیٹھا تو قاضی میر سہر ور کے ساتھ ایک نوجوان نظر آیا، شیر شاہ نے قاضی صاحب سے پوچھا کہ یہ آپ کا خویش ہے، کوئی فضیلت بھی رکھتا ہے: قاضی صاحب نے جواب دیا، طالب علم ہے، کافیہ پڑھتا ہے، شیر شاہ کو کافیہ حواشی کے ساتھ یاد تھی، طالب علم سے پوچھا عمر منصرف ہے، یا غیر منصرف، طالب علم نے جواب دیا، غیر منصرف، شیر شاہ نے پوچھا کس دلیل سے، طالب علم نے بہت سے دلائل پیش کرکے ہوشمندانہ جواب دیئے، شیر شاہ نے اس کو پانچ سو بگھے زمین اور پانچ سو نقد روپے دینے کا حکم دیا، طالب علم نے کہا میں کلام ربانی کا حافظ بھی ہوں، شیر شاہ نے پانچ سو بگھے زمین اور پانچ سو روپیے مزید دینے کا حکم دیا، پھر طالب علم سے پوچھا کہ اب تم نے اپنی قابلیت کے مطابق معاش اور نقدی پالی، طالب علم نے جواب دیا، جی ہاں، بادشاہ عالم سلامت! اپنی قابلیت کے مطابق تو پایا، لیکن بادشاہ کے کرم کے مطابق نہیں پا سکا، شیر شاہ نے پانچ سو بگھے زمین اور پانچ سو روپئے نقد اور دیئے، اس طرح کل ڈیڑھ ہزار بگھے زمین اور ڈیڑھ ہزار روپیے ہوئے، اسی وقت نقد روپے دیئے گئے، اور زمین جلد از جلد عطا کرنے کا حکم دیا۔ (تاریخ داؤدی ص ۱۴۲)

(۳۹)

مردم شناسی شیر شاہ گھوڑے کے داغ کے ضابطے کی پابندی بہت سختی سے کراتا، کوئی شخص گھوڑے کے داغ کے بغیر علوفہ نہیں پاتا، یہاں تک کہ خاکروب بھی داغ کراتے،

ایک روز شیر شاہ کے حکم سے گھوڑوں پر داغ ہو رہا تھا کہ ایک جوان تازی گھوڑے پر نظر آیا، جس نے شیر شاہ کے سامنے گھوڑے کا کرتب خوب دکھایا، تمام لوگوں نے بڑی شاباشی دی، لیکن شیر شاہ نے اس کو معمولی علوفہ دینے کا حکم دیا۔ شیر شاہ کے پیر شیخ خلیل اس وقت تشریف رکھتے تھے، بولے بادشاہ جہاں پناہ سلامت! یہ جوان گھوڑے کے پھرانے میں اپنا نظیر نہیں رکھتا، اس کو معمولی علوفہ ملنا اس کی بدقسمتی ہے۔ شیر شاہ نے کہا کہ شیخ صاحب! آپ سچ کہتے ہیں، لیکن یہ جوان اسی لائق ہے، شیخ خلیل نے عرض کیا کہ بادشاہوں کو تو کرامت حاصل ہے، ہم تو ظاہری حال دیکھتے ہیں، شیر شاہ نے کہا کہ آپ اس کا تماشہ دیکھیں، اور حکم دیا کہ وہ اپنی کمان کھینچ کر دکھائے، وہ جوان کوشش کے باوجود کمان نہ کھینچ سکا، شیخ خلیل نے کہا بادشاہ عالم سلامت! سپاہی داغ کے وقت دوسروں کے اسلحے لے آتے ہیں۔ شاید یہ کمان اس کی نہ ہو، شیر شاہ نے اپنی کمان شیخ کے سامنے ڈال دی اور کہا آپ دیکھیں کہ یہ کمان سخت ہے، یا نرم، شیخ خلیل نے کمان کا جائزہ لے کر کہا، بہت نرم ہے، شیر شاہ نے کہا کہ اس جوان کے ہاتھ میں دیدیجئے کہ اس کو کھینچ کر دکھائے، نوجوان اس کو بھی کھینچ نہ سکا، شیخ خلیل نے کہا اور اسلحہ اس کے جسم پر ہیں اسی لئے وہ اس کو نہ کھینچ سکا ہو، شیر شاہ نے اس کے جسم سے اسلحہ علیحدہ کرنے کو کہا، پھر بھی وہ کمان کھینچ نہ سکا، اس کے بعد شیخ خلیل نے کہا میں نے تو صرف ظاہری حال دیکھ کر عرض کیا تھا، شیر شاہ نے کہا کہ یہ جوان اچھے کپڑے پہن کر گھوڑے کو رقص کرانے کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا ہے، اور یہ بھی صرف فاحشہ عورتوں کو دکھانے کے لئے ان کی گلیوں میں کرتا ہے، یہ سن کر شیخ خلیل خاموش ہو گئے، معلوم ہوا کہ شیر شاہ نے جو کچھ کہا تھا سچ تھا، یہ نوجوان اپنی عمر آوارہ گردی [illegible] کرتا تھا۔ (تاریخ داؤدی ص ۱۳۵-۱۳۴)

(۴۰)

جبر و اختیار پر اعتقاد ایک بار شیر شاہ کے سامنے سے سوار گذر رہے تھے، اس نے ایک جوان کا علوفہ دو بدرہ مقرر کیا، اس جوان نے عرض کیا، بادشاہ عالم سلامت! اوریاروں نے زیادہ پاکر سرفرازی حاصل کی ہے، میری قسمت سے زبان مبارک سے صرف دو بدرہ کا حکم ہوا ہے، شیر شاہ نے جواب دیا کہ میں بھی ایک محکوم بندہ ہوں، مجھ کو خبر نہیں کہ وہ کیا کہلاتا ہے، وہ جو کچھ کہلاتا ہے کہتا ہوں، اس کے مقربوں میں سے ایک نے کہا بادشاہ سلامت! یہ صحیح ہے کہ حکم الٰہی کے سوا کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ہے، لیکن آدمی کو فاعلِ مختار کہا جاتا ہے، شیر شاہ نے کہا کہ اچھا تم بھی اس کا تجربہ کرلو، اس نے واقعہ نویسوں کو حکم دیا کہ تین حصے لکھے جائیں، ایک پر بیس بدرہ، دوسرے پر دس بدرہ، اور تیسرے پر دو بدرہ ہوں، ان تینوں کو ایک برتن میں ڈال دیا گیا، اس سپاہی سے کہا گیا کہ تمہارے نام سے اس برتن میں تین حصے لکھ کر ڈال دیئے گئے ہیں، تمہاری قسمت سے تمہارے ہاتھ میں جو حصہ آجائیگا، وہی تمہارا ماہانہ مقرر ہوجائیگا، سپاہی نے ہاتھ ڈالا تو جس پر دو بدرہ لکھا ہوا تھا، وہی نکل آیا، تمام لوگ شیر شاہ کی اس دانش کی تعریف کرنے لگے۔

دو بدرہ اٹھارہ یا بارہ روپے کے برابر ہوتے تھے، (تاریخ داؤدی ص ۱۲۵)

(۴۱)

قوت حافظہ شیر شاہ کا حافظہ بہت درست ہوتا، ایک بار کسی کو دیکھ لیتا تو پھر اس کو نہ بھولتا، ایک روز کچھ سوار اس کے سامنے سے گذر رہے تھے، ایک جوان نظر آیا، تو اس کو بلاکر کہا کہ میں نے تمہارا داغ نہیں کیا ہے، سچ بتاؤ کہ داغ ہوا ہے کہ نہیں، اس نے کہا کہ خود بادشاہ بدولت نے لیا ہے، شیر شاہ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر وہ اپنے کسی

مقرب کو داغ کرنے کا حکم دیتا تو اس وقت کاغذ اپنے ہاتھ میں رکھتا، اور اس پر دستخط کرتا اور وہ کسی کو دیکھ لیتا تو پھر اس کو نہ بھولتا، اس لئے اس نے اس سے پوچھا کہ کس جگہ تمہارا داغ ہوا، اس نے جواب دیا، بانگی پور میں دو سال کی مدت ہوئی شیر شاہ نے کہا کہ وہ دن تو مجھ کو یاد ہے، بتاؤ داغ دینے کی جگہ کون سی تھی، کون سا دن تھا، اور کون مہینہ تھا، اس جوان نے خاطر خواہ جواب نہیں دیا، شیر شاہ نے اس کے اضطراب کو دیکھ کر اس سے کہا کہ اگر تم اپنا سچ سچ واقعہ بتا دوگے تو تم کو بخش دونگا، ورنہ سزا دونگا، جوان کے لئے سچ کہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا اس نے کہا بادشاہ سلامت! آج ہی کے روز مجھکو دو روپیہ دے کر یہاں لایا گیا ہے، اور جو کچھ مجھ کو کہنے کو کہا گیا تھا میں نے آپ سے کہا، اور میں کچھ نہیں چاہتا ہوں، شیر شاہ نے اس سے کہا کہ یہ داغ کا گھوڑا تجھ کو بخش دیتا ہوں اور اس کو کسی اور امیر کے تابع کر دیا، (تاریخ داؤدی ص ۱۳۶)

(۴۱)

شاہانہ فراست ایک روز شیر شاہ کے سامنے سے سوار گذر رہے تھے، ایک سوار دور کھڑا تھا، شیر شاہ نے اپنے ایک مقرب سے کہا کہ اس کو جا کر بلا لاؤ، وہ جب گھوڑے پر نزدیک آیا تو اس کو شیر شاہ نے اترنے کو کہا، وہ تیزی سے اتر آیا، شیر شاہ نے اس سے پوچھا سچ سچ بتاؤ کہ تم اس گھوڑے کے چارہ دار نہیں ہو؟ اس نے عرض کیا کہ بادشاہوں کے سامنے جھوٹ نہیں بولا جا سکتا ہے، میں اس گھوڑے کا چارہ دار ہوں، ایک مقرب نے شیر شاہ سے پوچھا کہ بادشاہ سلامت! بادشاہوں کو ظل الٰہی کہا جاتا ہے، خوارق عادت تو ان کا ادنیٰ مرتبہ ہے آپ نے یہ

کیسے معلوم کیا کہ وہ چارہ دار ہے، شیر شاہ نے کہا کہ جب وہ گھوڑے کی لگام کو پکڑتا، اور اپنا ہاتھ بڑھاتا تو گھوڑا اس کے ہاتھ کو دیکھ کر اپنا منہ کھولدیتا، وہ سمجھتا کہ وہ دانہ کھلائیگا" شیر شاہ کی اس درستیٔ رائے پر تمام لوگوں نے آفریں کی، شیر شاہ نے اس گھوڑے کو اس چارہ دار کو بخش دیا،

(۴۳)

شاہانہ تفریح شیر شاہ کے سواروں میں راجپوت سوار بھی تھے، ایک موقع پر سوار اس کے سامنے سے گذر رہے تھے، تو ایک راجپوت سوار کو دیکھ کر شیر شاہ نے عماد الملک سے فارسی میں کہا کہ "او ہیچ نیست" راجپوت سوار نے عماد الملک سے پوچھا کہ ہیچ نیست کے لئے کتنے بدرہ مقرر ہوگئے، اس پر عماد الملک کو ہنسی آگئی، شیر شاہ نے عماد الملک کو ہنستے دیکھ کر ہنسنے کی وجہ پوچھی، تو عماد الملک نے کہا کہ یہ سوار پوچھتا ہے کہ ہیچ نیست کے کتنے بدرے ہوئے؟ شیر شاہ کو بھی یہ سنکر ہنسی آگئی، (تاریخ داؤدی ص ۱۲۷)

(۴۴)

سختی و نرمی پرگنہ رُدولی کے ایک امام صاحب شیر شاہ کے دربار کے سامنے آئے اور ظہر کی نماز کے وقت اذان دی، اور اذان دیتے وقت الصلوٰۃ خیر من النوم کہا، شیر شاہ نے یہ سن کر پوچھا کہ یہ اذان دینے والا کون ہے، مقربوں نے عرض کیا کہ ایک فقیر ہے، جو ائمہ کے گروہ میں ہے، شیر شاہ نے ان کو اپنے حضور میں بلایا اور کہا کہ کیا میں سویا ہوں، کہ تم الصلوٰۃ خیر من النوم کہتے ہو، امام نے جواب دیا کہ اگر بادشاہ سویا نہ ہوتا، تو میرے حال سے ضرور خبردار ہوتا، شیر شاہ نے کہا کہ میں نے دار العدالت اسی لئے قائم کیا ہے، قاضی، میر عدل اور ہر فن کے کارواں علٰحدہ علٰحدہ وہاں ہیں، تم نے

وہاں کے لوگوں سے اپنا حال کیوں نہیں بتایا، امام نے عرض کیا کہ وہاں تک پہونچنے کی دستگاہ نہیں ہے، شیرشاہ نے کہا کہ میں تو عام خاص میں بیٹھا کرتا ہوں، تم میرے پاس کیوں نہیں آئے، امام نے کہا کہ اس بندہ کو وہاں تک کون پہونچائے، دو سال ہوئے کہ میں بھیک مانگ کر کھاتا ہوں اور آپ کے دربار کے پاس پڑا رہتا ہوں، شیرشاہ نے کہا کہ لنگر سے کھانا کیوں نہیں کھایا، امام نے کہا اس وقت تو آپکے دروازہ پر ہوتا ہوں، شیرشاہ نے اس جواب کو کوئی جواب نہیں سمجھا، اور حکم دیا کہ انکو چار سو کوڑے لگاکر قید میں ڈال دیا جائے، اور ایسا ہی کیا گیا، نماز کے وقت شیرشاہ باہر آیا اور جب تخت پر بیٹھا تو پہلے اس امام کو یاد کیا، وہ قیدخانہ سے باہر لائے گئے، تو شیرشاہ نے ان ہی سے پوچھا کہ سو کوڑے لگائے گئے کہ نہیں، انھوں نے عرض کیا، اپنے حال کی خبر نہیں رکھتا ہوں، جو نصیب میں تھا وہ ہو کر رہا، شیرشاہ نے جوبدار سے پوچھا کہ سو کوڑے کا حکم تھا، لیکن امام صاحب نے ہاتھ سے اشارہ کرکے بتایا کہ چار سو کوڑے کا حکم تھا، شیرشاہ اس پر نرم پڑ گیا، اور اس نے کہا کہ اس امام کو چار سو روپیے دو، جب امام صاحب کے ہاتھ میں روپے آگئے تو شیرشاہ نے ان سے پوچھا کہ آخر آپ کا مقصد کیا تھا، امام صاحب نے کہا کہ سلاطین کے حکم سے میں نے ایک سو بیس بیگھے زمین پائی تھی، لیکن اب شاہی حکم سے وہ واپس لے لی گئی ہے، شیرشاہ نے حکم دیا کہ ان کو چار سو بیگھے زمین دی جائے، اور اپنے سامنے فرمان لکھوا کر ان کے ہاتھ میں دیدیا، پھر پوچھا کہ تمہارا گھر یہاں سے کے کوس ہے، انھوں نے جواب دیا کہ ایک مہینہ کے بعد وہاں پہونچونگا، شیرشاہ نے کہا کہ ہر منزل کے خرچ کے لئے ان کو دو سیاہ تنکے دیئے جائیں تاکہ وہ چار سو روپیے کی پوری رقم اپنے لڑکوں کو جاکر دے سکیں،

(تاریخ داؤدی ص ۳۸-۱۳۷)

(۴۵)

برہمن کے ساتھ حسن سلوک ایک مرتبہ شیر شاہ کشتی پر سوار ہو کر آگرہ سے کالنجر جا رہا تھا، راستہ میں کالپی پڑا، کالپی کے علاقہ ہمیر پور کا ایک برہمن ایک جگہ غسل کر رہا تھا، ملاح کشتی کو تیزی سے آگے بڑھا رہے تھے، لیکن شیر شاہ نے اس جگہ کشتی کو روکا، جہاں برہمن غسل کر رہا تھا، اور اس سے اس علاقہ کے جاگیردار کی امارت و عدالت کے رنگ ڈھنگ کے بارہ میں پوچھا، برہمن کو معلوم نہ تھا کہ وہ بادشاہ سے باتیں کر رہا ہے، اس لئے پرگنہ کے متعلق جو سچ سچ باتیں تھیں ان کو مختصر طریقہ پر بتا کر اپنے گھر کی راہ لی، وہ جا چکا تو شیر شاہ نے اپنے مقربوں سے کہا کہ برہمن کو تو اس وقت یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ بادشاہ وقت سے ہمزبان ہوا ہے، لیکن ظن غالب یہ ہے کہ اسکو معلوم ہو جائیگا، کہ وہ بادشاہ سے ہمکلام ہوا ہے، اس وقت یہ محسوس کریگا کہ اس کی ہمزبانی سے دوسروں کے مقابلہ میں اس کو کیا فائدہ ہوا، شیر شاہ نے اس برہمن کو واپس بلایا، اور جو گاؤں برہمن کا تھا، وہ اس کو انعام میں بخش دیا، اور اس کے دامن میں پانچ سو روپیے نقد دیکر اسکو رخصت کیا،

(تاریخ داؤدی، ص ۳۹-۱۳۸)

(۴۶)

قیام امن کی تدبیریں شیر شاہ کی حکومت کے زمانہ میں اٹاوہ کے پاس ایک شخص راستہ میں مارا ہوا پایا گیا، اس مقتول کی لاش ایک ایسے دو گاؤں کی سرحد پر پائی گئی جن میں مدتوں سے جھگڑا چلا آرہا تھا، قتل کا ثبوت نہ مل سکا، جب اس حادثہ کی خبر شیر شاہ کو ملی، تو اس نے اپنے وزراء سے اس کی تفتیش کرنے کو کہا، لیکن کہیں سے کوئی ثبوت نہ ملا، آخر بہت سوچ بچار کر کے شیر شاہ نے دو آدمیوں کو اس درخت کے پاس

بھیجا، جس کے نیچے مقتول کی لاش ملی تھی، اور اس درخت کو کلہاڑی سے کاٹنے کا حکم دیا، اور ان آدمیوں سے کہا کہ وہ اس کا اظہار نہ کریں کہ وہ بادشاہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں، لیکن جب دونوں گاؤں میں سے کوئی ان کے پاس مزاحمت کرنے کے آئے تو جاگیردار کو خبر دیں، اور ان کے مقدم کو پکڑوا کر دربار میں لے آئیں، شیرشاہ کے آدمیوں نے حکم کے بموجب جاکر درخت کو کاٹنا شروع کیا تو دونوں گاؤں کے پاس سے ایک ایک آدمی نے آکر شور مچانا شروع کیا کہ درخت تو ہمارے ہیں، تم کون ہو جو اس کو کاٹتے ہو، شیرشاہ کے آدمیوں نے وہاں کے جاگیردار سے کہا کہ گاؤں کے یہ آدمی مجرم ہیں، ان کو بادشاہ کے دربار میں لے چلو، شیرشاہ نے اس گاؤں کے مقدم سے پوچھا کہ یہ درخت تمہارے گاؤں سے کچھ فاصلہ پر تھا، لیکن جب یہ کاٹا جارہا تھا تو تم کو خبر ہو گئی، لیکن جب ایک آدمی کا سر کاٹا جارہا تھا، تو تم کو خبر کیوں نہیں ہوئی، پھر حکم دیا کہ اگر تین روز میں مقتول کا قاتل حاضر کر دیا جائیگا، تو تم سب کو امان ملے گی، ورنہ اس گاؤں کے تمام آدمی قتل کر دیئے جائیں گے، قاتل گاؤں میں موجود تھا، اس لئے اس کو باندھ کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا، اور اس کو سزا دی گئی (تاریخ داؤدی ص ۲۲۶)

(۴۷)

زراعت کی حفاظت جب شیرشاہ کی فوج کوچ کرتی تو اس کا حکم تھا کہ راستہ میں کوئی فوجی زراعت کو نقصان نہ پہونچائے، ایک بار وہ اپنی فوج کو لیکر، مالوہ کی مہم میں جارہا تھا کہ راستہ میں ایک ساربان کو چنے کے کھیت میں سے کچھ پودے اکھاڑ کر چبے کھاتے ہوئے دیکھا، اس نے ساربان کو اپنے پاس بلایا، اور پوچھا کہ جب میں نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ کھیتی کو نقصان نہ پہونچایا جائے تو تو نے کھیت میں سے یہ پودے،

کیوں اکھاڑے؟ ساربان نے گھبرا کر کہا بادشاہ عالم سلامت! میں نے نہیں اکھاڑا ہے، میں نے دوسرے سے حاصل کیا ہے، لیکن شیر شاہ نے یہ عذر نہیں سنا، اس نے حکم دیا کہ ساربان کی ناک میں سوراخ کر کے، اس کے پاؤں باندھ دیئے جائیں، اور اس کو اس کے اونٹ کی گردن میں لٹکا دیا جائے، اور اس طرح تمام دن وہ اونٹ کی گردن میں لٹک کر منزل طے کرتا رہا، اس کے بعد کسی نے زراعت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا،

اگر ہرے بھرے کھیت کے پاس لشکر کا پڑاؤ ہوتا تو پھر لشکری اس کی نگہبانی کے لئے مقرر کئے جاتے کہ کوئی بے حیا کھیت کو نقصان نہ پہونچائے، (تاریخ داؤدی ص ۱۴۲، ۱۴۱)

(۴۸)

فوجی جفاکشی | شیر شاہ نے اپنی فوج کو بڑی مستعدی اور محنت کی تربیت دی تھی، جس وقت اس کا چتر اس کے سواروں کو دکھائی دیتا، تو وہ اپنی تلواریں میان سے نکال کر چتر کی طرف دوڑتے اور گھوڑوں سے اتر کر اس طرح سلام کرتے کہ جس طرح لڑائی کے دن کیا کرتے تھے،

مانڈو، اجین اور سارنگ پور کا حکمراں ملو خاں اس کے لشکر میں آیا تو اس نے دیکھا کہ ہر منزل میں سپاہی بڑی محنت و مشقت کیا کرتے ہیں، لشکر کے گرد خندق کھودتے ہیں، اور قلعہ بناتے ہیں، یہ دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے، اور اس نے افغان سپاہیوں سے کہا کہ کتنی محنت کرتے ہو، لمحہ بھر آرام اپنے لئے حرام جانتے ہو، افغانوں نے کہا ہمارے بادشاہ کا بھی یہی دستور ہے، وہ جیسی محنت کرتے ہیں، ویسی ہم بھی مشقت کرتے ہیں، اس لئے یہ محنت و مشقت گراں نہیں گذرتی،

ملو خاں نے یہ بھی دیکھا کہ شدید گرمی میں بھی شیر شاہ مسلح ہو کر مغفر پوش

گھوڑے پر کوچ کرتا ہے، اور اس کا لشکر بھی اسی طرح مسلح ہو کر ساتھ ہوتا ہے، ملو خاں نے متحیر ہو کر شیر شاہ کے ایک امیر حسین خاں شرہنیئے سے پوچھا کہ اس گرمی میں تمہارا کیا حال ہے، اس نے کہا کہ اسی طرح بنگال سے کوچ کرتے ہوئے، ہم لوگ چلے آرہے ہیں، ملو خاں نے کہا کہ میرے بدن پر تو کپڑے گراں ہیں، تم تو آہن پوش ہو، تمہارا کیا حال ہے؟ حسین خاں نے کہا ہم تو اس کے عادی ہو چکے ہیں، اور اس سے بڑھ کر کسی اور چیز میں لذت نہیں ملتی، ملو خاں نے تفریحاً کہا کہ سچ کہو، اس آہن پوشی کے علاوہ زندگی میں کسی اور چیز کی بھی لذت اٹھائی ہے، حسین خاں نے ہنس کر کہا، مثل مشہور ہے کہ جس کا مالک زمین پر ہوتا ہے، اس کے خادم کو قبر میں سونا چاہیے، ہمارے بادشاہ نے اپنے اوپر یہ تمام کام آسان کر لیا ہے، تو ہم کو بھی کوئی کام مشکل نظر نہیں آتا،

ملو خاں شیر شاہ کے اس لشکر کی مشقت کی تاب نہ لا سکا، اور وہ ایک رات لشکر سے فرار ہو گیا، شیر شاہ نے اس موقع پر شیخ جمال کمبوہ کے لڑکے شیخ عبدالحئی کو مخاطب کر کے کہا،

ع دیدی چہ کرد آخر ملو غلام گیدی

تو شیخ عبدالحئی نے فی البدیہہ کہا،

ع قولیست مصطفیٰ را لاخیر فی العبید

(تاریخ داؤدی ص ۱۴۶ - ۱۴۳)

(۴۹)

شاہانہ سخاوت شیر شاہ نے دہلی میں پرانے قلعہ کو از سر نو درست کیا، اور اس کا نام شیر گڈھ رکھا، اس زمانہ میں اس کے پاس کے پہاڑی جنگلوں میں بہت سے گوجر جو

رہا کرتے تھے، شیرشاہ نے اُن پر فتح پاکر ان کا بالکل صفایا کر دیا، اس موقع پر ایک ملبوہ شیخ نے آکر شیرشاہ سے کہا، ؎

مبارک بادشاہا کوہ ہستاں

شیرشاہ نے اسکے جواب میں یہ کہا، ؎

تو ہم اے شیخ یک لک تنکہ بستاں

اور اسی وقت شیخ کی خدمت میں ایک لاکھ تنکے پیش کیے (تاریخ داؤدی ص ۱۴۹)

(۵۰)

عدل پروری ایک روز شیرشاہ کا لڑکا شہزادہ عادل خاں ہاتھی پر سوار ہو کر آگرہ کی ایک گلی سے گذر رہا تھا کہ اس کی نظر ایک بقال کی بیوی پر پڑی جو اپنے مکان کے اندر برہنہ نہا رہی تھی، شہزادہ نے اس کو دیکھ کر پان کا بیڑہ اس پر پھینکا، عورت حیادار تھی، فرط ندامت میں اس نے خودکشی کر لینے کا ارادہ کیا، لیکن اس کے شوہر نے اس کو خودکشی سے باز رکھا، اور وہی پان کا بیڑہ لے کر شیرشاہ کے پاس پہونچ کر فریاد کی، شیرشاہ کو اپنے بیٹے کی حرکت پر غصہ آیا، اور اس نے حکم دیا کہ فریادی کو ہاتھی پر سوار کر کے عادل خاں کے مکان کے پاس پہونچایا جائے اور شہزادے کی بیوی مکان کے اندر کھڑی ہو، اور فریادی یہی پان کا بیڑہ ہاتھی پر سے اس کی بیوی پر پھینکتا ہوا آگے بڑھے، یہ حکم سنکر درباری امرا نے شہزادہ کی حمایت کرنی چاہی، لیکن شیرشاہ نے کہا میری عدالت میں میری محبوب ترین اولاد اور رعایا برابر ہیں، فریادی اس فیصلہ سے متاثر ہوا، اور اس نے دست بستہ عرض کیا، میں انصاف پاگیا، شہزادہ نے میرا قصور کیا ہے، مجھ کو قصور معاف کرنے کا حق ہے، اس لئے میں نے شہزادہ کو معاف کیا، یہ سنکر

شیرشاہ کا جلال کم ہوا، وہ کہا کرتا تھا کہ عدل ہر دین میں بہتر ہے، عدل کے برابر کوئی طاعت اور عبادت نہیں، اگر بادشاہ کے عدل کا سایہ خلق کے سر پر سے اٹھ جائے تو آبادی کا شیرازہ بکھر جائے، منتخب التواریخ کے مصنف ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ خدا کا میں بڑا شکر گذار ہوں کہ میری پیدائش اس عادل بادشاہ کے زمانہ میں ماہ ربیع الاول ۹۴۷ھ میں ہوئی (جلد اول ص) تاریخ ہندوستان جلد سوم از ذکاء اللہ ص، تاریخ شیرشاہی از عباس خاں شیروانی اردو ترجمہ ص ۲۳-۱۳۶)

(۵۱)

بین الاقوامی نظر | شیرشاہ کی معیت میں مولانا سید رفیع الدین محدث بھی برابر رہتے تھے، کچھ دنوں کے بعد انھوں نے شیرشاہ سے عرض کیا کہ میرے آباو اجداد بڑے صاحب تصانیف گذرے ہیں، وہ حرمین شریفین میں درس دیا کرتے تھے، اپنے خاندان میں صرف میں ہی ایسا نالائق نکلا کہ روپیے کی خاطر ہندوستان چلا آیا ہوں، اور ایک ادنیٰ حیثیت کا آدمی بن کر رہ گیا ہوں، اس لئے التماس ہے کہ اب مجھکو رخصت کریں تاکہ اپنی آخر عمر میں بزرگوں کے چراغ کو روشن کرسکوں،

شیرشاہ نے جواب دیا کہ مجھکو آپ کو رخصت کرنے میں کوئی عذر نہیں، لیکن میں نے آپ کو ایک خاص مصلحت سے روک رکھا ہے، اور وہ یہ ہے کہ میری خواہش ہے، کہ جب میں ہندوستان کے تمام قلعوں کو فتح کرلوں تو ان قزلباشوں کی طرف رجوع کروں جو بیت الحرام کے حاجیوں کو روک کر دین محمدی میں خلل ڈالتے ہیں، ان قزلباشوں کا یہ حال ہے کہ جب ان کو سلطان روم دباتا ہے، تو وہ میری طرف چلے آتے ہیں اور جب وہ لوٹ جاتا ہے، تو پھر اپنے ٹھکانوں پر واپس ہوجاتے ہیں، میرے ذہن میں یہی،

کہ میں اور سلطان روم دونوں مل کر اپنی اپنی طرف سے ان قزلباشوں کی خبر لیں، میرے پاس ہندوستان کے لشکر کی کثرت ہے، اور سلطان روم کے پاس شوکت اور آتشیں اسلحہ ہیں، پھر قزلباشوں کے لئے مدافعت کی گنجائش نہ رہیگی، شیر شاہ نے مولانا رفیع الدین محدث سے کہا کہ میں یہی پیام لیکر آپ کو سلطان روم کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں، آپ کے سوا کوئی اور دوسرا موزوں نہیں، اسی لئے میں نے آپ کو روک رکھا ہے،

شیر شاہ یہ کام انجام نہ دے سکا، لیکن اس واقعہ کو ملا عبد القادر بدایونی لکھ کر کہتے ہیں کہ کیا عجب کہ شیر شاہ کے اس حسن نیت سے اس کی مغفرت ہو جائے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ عراق کا حکمراں عمرو بن لیث کہا کرتا تھا کہ اگر امام حسینؓ کے ساتھ میں ہوتا تو یزید پلید کے ہمراہیوں کے دماغ کو ٹھکانے لگا دیتا، لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ گلزار بہشت کی سیر کرتا ہے، آدمی اگر بھلے کام کی نیت کرے اور وہ عمل میں نہ لا سکے تو بھی خداوند تعالیٰ اس کا اجر دیتا ہے، (منتخب التواریخ جلد اول ۷۱۔۳۷۰) دربار اکبری ص ۶۶۶

(۵۲)

خورد و نوش میں فراخدلی شیر شاہ کے امراء میں خواص خاں بڑا ہی بہادر، نیک اور دریا دل امیر تھا، ایک بار وہ رہتاس کی مہم میں لشکر کے ساتھ کوچ کر رہا تھا راستہ میں ایک جگہ گھریاں بہت تھیں، ان کی وجہ سے ایک رات لشکر کے کھانے پینے کا انتظام نہ ہو سکا، خواص خاں کو معلوم ہوا تو اس نے تمام فوجی امراء کو کہلا بھیجا کہ آفتاب نکلنے کے ساتھ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک پر فاتحہ ہوگا، وہ اپنے

تمام لشکریوں کے اس میں شریک ہوں، اور ما حضر تناول فرمائیں، اور ابھی آفتاب نکلنے بھی نہ پایا تھا، کہ خواص خاں کے ملازموں نے لشکر میں آکر اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے، تمام امرا اپنے لشکریوں کے ساتھ خواص خاں کے پاس پہونچے تو دسترخوان بچھایا گیا پہلے دنبہ بکرے اور حلوان کی یخنی کے ساتھ ہر آدمی کے سامنے اتنا کھانا رکھا گیا کہ اگر اس کے ساتھ تین آدمی بھی شریک ہو جاتے تو کھانے میں کمی نہ پڑتی، اس کے بعد شیر برنج اور دہی کی کئی قسمیں پیش کی گئیں، ہندی کھانوں کے پکوان کا اتنا انبار لگا دیا گیا، کہ ان کے رکھنے کی جگہ نہ ملتی، تمام سواروں اور پیادوں نے سیر ہو کر کھایا، پھر بھی کھانا بچ رہا، اس کے بعد ہر شخص کو شربت اور پان دیئے گئے، اس وقت شیر شاہ کا بہت ہی خلیل القدر امیر ہیبت خاں نیازی اعظم ہمایوں بھی موجود تھا، اس نے خواص خاں سے کہا کہ یہ محض آپ کی کرامت ہے، خواص خاں نے جواب دیا کہ یہ کرامت نہیں ہے، بلکہ میں یہ کرتا ہوں کہ میں اپنے ساتھ دس ہزار آدمی رکھتا ہوں، اور ہر ایک کے ذمہ کھانے کی ایک چیز کر دیتا ہوں، گائے بھینس میرے ساتھ ہوتی ہیں، دو ہزار گھوڑے اور اتنے ہی اونٹ اور ہاتھی اور خچر ساتھ ہوتے ہیں، ان سب کے ذمے باورچی خانہ کی ایک ایک چیز ہوتی ہے، اور ابھی تک میرے پاس ایک روز کا سامان موجود ہے،

ایک بار خواص خاں شیر شاہ کے ساتھ کسی مہم پر جا رہا تھا، بارش کی زیادتی کی وجہ سے لشکر میں کہیں سے غلہ نہ پہنچ سکا شیر شاہ کے مطبخ خاص میں بھی پکانے کی کوئی چیز نہ ملی، باورچی خانہ کے عہدہ داروں نے شیر شاہ سے جا کر عرض کیا کہ آج "مطبخ ناغہ ہو جائیگا" شیر شاہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ خواص خاں کے پاس جائیں، اور اس سے کہیں، کہ اس کے پاس جو کچھ ہو وہ شاہی مطبخ کے لئے بھیجدیئے، جب یہ لوگ خواص خاں کے پاس پہونچے

تو اس نے اپنے متصدیوں سے پوچھا کہ باورچی خانہ میں کتنی چیزیں ساتھ ہیں، انھوں نے بتلایا کہ ایک روز کا سامان ہے، اس نے کہا کہ اس میں سے دو حصہ سامان شاہی باورچی خانہ کے لئے بھیج دیا جائے، اور جب یہ سامان وہاں پہنچا، تو تین روز تک خرچ ہوتا رہا،

جب خواص خاں پٹنہ میں مامور کیا گیا، تو شیر شاہ کا ایک لشکر گنجوارہ جاتے ہوئے پٹنہ سے گذرا، اس لشکر کے سردار بائیس ۲۲ امراء تھے، وہ خواص خاں سے ملنے گئے، اس روز خواص خاں ایام بیض کے روزے رکھے ہوئے تھا، پھر بھی ان کو ضیافت کے لئے روک لیا، امراء عجلت میں تھے، اس لئے رکنا نہیں چاہتے تھے، لیکن خواص خاں نے کہا کہ ناشتہ کیا جو موجود ہے، وہی کھالیں، دسترخوان بچھایا گیا کہ پہلے روٹی اور کباب لگائے گئے، وہ اتنے تھے کہ امراء سمجھے کہ یہی کھانا ہے، وہ یہ کھا کر اٹھنا چاہتے تھے کہ خواص خاں کے وکیلوں نے ان سے کہا کہ ابھی تو کھانا آیا بھی نہیں ہے، امراء نے کہا کہ خواص خاں تو روزے سے ہیں، اس سے زیادہ کھانا اور کیا ہوگا، خواص خاں کے وکیلوں نے کہا کہ مطبخ خاص تو افطار کے وقت ہوگا، اس وقت جو موجود ہے وہ حاضر کیا جائیگا، اس کے بعد آفتابہ اور طشت لائے گئے، امراء نے ہاتھ دھوئے، اور کھانا شروع ہوا، پہلے یخنی آئی، کیونکہ افغان اس سے کھانا شروع کرتے ہیں، پھر ہر سردار کے سامنے ایک ایک غوطائی بکری لگائی گئی اسکے بعد مرغ، دراج اور لاوہ پیش کئے گئے، اس کے بعد شیرینی، حلوے اور پکوان اتنے لائے گئے کہ وہاں کے رکھنے کی جگہ نہ رہی، پھر شیر برنج پیش ہوئی، پھر سادہ چاول، میٹھے چاول اور نمکین چاول، چنے گئے، پھر دس مادہ بھیڑ کے دودھ کا ایک ایک پیالہ دو چمچوں کے ساتھ دو دو آدمیوں کے بیچ میں رکھا گیا، دو پہر تک یہ کھانا جاری رہا، اس کے بعد پان اور خوشبو تقسیم کر کے فوجی سرداروں کو رخصت کیا گیا، وہ دسترخوان سے اٹھ گئے تو ان کے نوکر اسی طرح

دستر خوان پر بیٹھے، دستر خوان پر جو کھانا بچ جاتا، وہ فقراء کو دیدیا جاتا،

خواص، فقیروں، مسکینوں، بیواؤں اور مسافروں کے کھانے کا بھی علٰحدہ علٰحدہ خیموں میں انتظام رکھتا، ان میں سے ہر ایک کے لئے دو سیر غلہ روزانہ مقرر تھا، ایک روز غلہ نہ تھا، تو اس کے بجائے خواص خاں کے حکم سے خشک میوے مثلاً بادام اور کشمش وغیرہ اسی مقدار میں تقسیم کئے گئے،

ایک بار وہ جودھ پور میں مقیم تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فاتحہ کے موقع پر جو کھانا پکوایا، تو اس میں چار سو من مصری حلوے اور شربت میں خرچ ہوئی، اور دوسری اجناس کا قیاس اسی سے کیا جا سکتا ہے،

ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر ہندوستان چھوڑ رہا تھا تو خوشاب کے نواح میں غلط راستہ پر پڑ گیا، اور خواص خاں کے لشکر کے پاس پہنچ گیا، اس وقت اس کے پاس کھانے کا کوئی سامان نہ تھا، اس نے خواص خاں کے پاس آدمی بھیجا تو خواص خاں نے دو من میوے، ایک من گھی، شہد اور دوسری چیزیں بھجوا دیں، ہمایوں نے خواص خاں سے استفسار کرایا کہ ایلغار میں اجناس کا ساتھ رکھنا تو ٹھیک ہے، لیکن اس کے پاس بکرے کیسے پہونچے، خواص خاں نے کہلا بھیجا کہ میرا یہ قاعدہ ہے کہ ہر شتربان اور فیل بان کو ایک ایک بکرا رکھنے کو کہتا ہوں،

خواص خاں کا قاعدہ تھا، ایک پہر رات گذر جاتی تو وہ اپنے دو تین خادموں کے ساتھ باہر نکل جاتا، اور اپنے ساتھ حلوہ چاول اور کچھ روپئے بھی رکھتا راستہ میں کوئی سویا ہوا ملتا تو اس کو بیدار کرتا، اور اس سے اس کا پیالہ مانگتا اور اس میں، حلوا چاول رکھ کر کچھ روپئے بھی ڈالدیتا (تاریخ داؤدی ص ۱۴۲، ۱۴۳)

(۵۳)

خوش طبعی شیر شاہ (المتوفی ۹۵۲ھ) کے بعد اس کا لڑکا سلیم شاہ تخت پر بیٹھا، اس کے دور حکومت میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب لشکریوں کو تنخواہیں بہت دنوں تک نہیں ملیں، جس سے سارے لشکری پریشان تھے، سلیم شاہ کے دربار میں ایک خوش طبع اور گستاخ امیر شاہ محمد فرملی تھا، اس نے ایک روز سلیم شاہ کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے کہ آسمان سے تین تھیلیاں اتریں، ایک میں خاک بھری ہوئی تھی، ایک میں سونا اور ایک میں کاغذ تھا، خاک تو سپاہیوں کے سر پر پڑی سونا دفتر کے ہندوؤں کے گھر چلا گیا، اور کاغذ شاہی خزانہ میں داخل ہوا، سلیم شاہ کو یہ لطیفہ پسند آیا، اور اس نے حکم دیا کہ جب وہ گوالیار سے واپس آجائے تو محاسب حساب کر کے لشکریوں کی تنخواہ ادا کر دیں (منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۸۰)

(۵۴)

ادبی فہم و فراست ہمایوں اور مرزا کامراں دونوں بھائی تھے، لیکن مرزا کامراں ہمایوں سے برابر جنگ کرتا رہا، ایک بار شکست کھا کر سلیم شاہ سوری کے دربار میں پہنچا وہاں اس کو امید تھی کہ ہمایوں کے خلاف اس کو مدد ملے گی، لیکن یہاں اس کی امید بر نہ آئی اور اس کو ہر قسم کی ذلتیں اٹھانی پڑیں، سلیم شاہ نے پہلے اس کی علمیت کو نیچا دکھانے کی کوشش کی، تاریخ داؤدی میں ہے

"مرزا کامران ہمایوں بادشاہ کے یہاں سے فرار ہو کر اسلام شاہ کے یہاں مدد کے لئے پہنچا، مرزا کامران شعر آرائی اور شعر فہمی کا اچھا ذوق رکھتا تھا، یہ بات اسلام شاہ کی مجلس میں پہنچ چکی تھی، پہلی مجلس میں سلیم شاہ نے مرزا کامران کے

امتحان طبع کے لئے تین شعر پیش کئے، جن میں ایک اہل عراق کا، دوسرا فضلائے ہندوستان کا اور تیسرا ایک افغان کا تھا، اور اس سے پوچھا کہ یہ اشعار کیسے ہیں، کامراں مرزا نے کہا کہ آپ شعر کی خوبی کے متعلق سوال کرتے ہیں یا یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کس کے اشعار ہیں، اسلام شاہ نے کہا میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ تینوں شعر کس کے ہیں، کامران نے کہا پہلا شعر جو آپ نے پڑھا وہ عراق کے ایک شاعر کا ہے، دوسرا شعر اہل ہند کا اور تیسرا ایک افغانی کا، ہو اسلام شاہ اور تمام حاضرین مجلس نے مرزا کامران کی فہم و فراست پر شاباشی بھیجی (ص ۱۸۱)

ادبی نوک جھونک پھر بھی سلیم شاہ کے درباری شہزادہ کامران سے تمسخر کرتے رہے، اور وہ اپنی ذہانت اور قوت گویائی سے ان کو خاموش رکھتا تھا، ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:-

"سلیم شاہ کبھی مرزا کو بلا کر مشاعرہ کرتا تھا، اور یہ صحبت بے لطفی سے گذرتی تھی، مرزا ان تکلفات اور تواضعات سے بہت تنگ آ کر زندگی سے بیزار ہو گیا تھا، اور بھاگنے کا موقع ڈھونڈتا رہا، افغانی ہندی زبان میں اس کا مذاق اڑاتے تھے، اور جب وہ دربار میں آتا تو وہ کہتے کہ مورود (مرغ) آ رہا ہے، مرزا نے سلیم شاہ کے سامنے ایک مقرب درباری سے پوچھا کہ مورد کس کو کہتے ہیں درباری نے جواب دیا کہ جلیل القدر انسان کو کہتے ہیں، مرزا نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو سلیم شاہ بڑا مورود ہے، اور شیر شاہ اس سے بھی زیادہ،

ایک موقع پر سلیم شاہ نے کامران کو اپنا شعر سنانے کو کہا تو کامران نے جل کر برجستہ یہ شعر پڑھا،

گردش گردون گردان گردناں را گرد کرد به سر اہل تمیزاں ناقصاں را مرد کرد

سلیم شاہ سن کر بہت خفیف ہوا،

(منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۹)

(۵۵)

علماء کی قدردانی سلیم شاہ علماء کا بڑا قدردان رہا، اس زمانہ کے ایک جلیل القدر عالم مخدوم الملک ملا عبد اللہ سلطان پوری تھے، جو سکندر لودی، بابر، ہمایوں اور پھر اکبر کے دربار سے وابستہ رہے، سلیم شاہ کے دربار میں بھی رہے، سلیم شاہ پنجاب جاتے ہوئے اور ٹھہرا، تو ایک دن دور سے مخدوم الملک ملا عبد اللہ سلطان پوری کو اپنے پاس آتے ہوئے دیکھا، اپنے مقربوں سے کہنے لگا کہ تم جانتے ہو یہ کون آرہا ہے؟ انھوں نے کہا "آپ ہی فرمائیں"، سلیم شاہ نے کہا بابر بادشاہ کے پانچ بیٹے تھے، جن میں سے چار (ہمایوں، کامراں عسکری، ہندال) تو ہندوستان سے نکل گئے، مگر پانچواں یہ باقی رہ گیا ہے، ایک درباری سرمست خاں نے کہا پھر اس متنفی پر آپ کی کیوں نگاہ ہے، سلیم نے کہا کیا کروں، اس سے بہتر آدمی مجھے نظر نہیں آیا، جب ملا عبد اللہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے ان کو اپنے تخت پر بٹھایا، اور ایک مروارید کی تسبیح پیش کی، جو اس زمانہ میں تحفہ میں آئی تھی اور اس کی قیمت بیس ہزار روپیے تھے، (منتخب التواریخ جلد اول ص ۴۱۵-۴۱۷)

(۵۶)

مہارت موسیقی سلیم شاہ کا سالا مبارز خاں تھا، وہ سوری تخت پر فیروز شاہ بن سلیم شاہ کے بعد بیٹھا، اس کا لقب تو محمد عادل تھا، لیکن عدلی کے نام سے مشہور ہوا، وہ فن موسیقی میں بڑا ماہر تھا، اکبری دربار کا شہرۂ آفاق ماہر موسیقی تان سین اس کا شاگرد تھا، موسیقی میں ہندوستان کا ایک دوسرا بے عدیل ماہر فن باز بہادر پسر سزاول خاں تھا، وہ بڑے فخر سے کہا کرتا تھا کہ اس نے یہ فن عدلی سے سیکھا ہے،

ایک مرتبہ دکن کا ایک سازندہ ایک قد آدم پکھاوج سلطان عدلی کے دربار میں

لے آیا، اس کے دونوں طرف کسی کا ہاتھ نہیں پہونچتا تھا، اس لئے کوئی اس کو بجا نہیں سکتا تھا، دہلی کے تمام سازندے اس کے بجانے سے قاصر رہے، لیکن جب یہ پکھاوج سلطان عدلی کے سامنے پیش کی گئی، تو اس کے بجانے کی ترکیب اس کے سمجھ میں آگئی، وہ تکیہ لگا کر ایک طرف تو ہاتھوں اور دوسری طرف پاؤں سے بجانے لگا، تمام لوگوں کو دیکھ کر تعجب ہوا، اور اہل ہنر اس کے حلقہ بگوش ہو کر داد دینے لگے۔ (منتخب التواریخ جلد اول ص ۴۲۴-۲۵)

(۵۷)

نزاکت طبع سلطان محمد عادل سوری کی بادشاہت سے پہلے یعنی اس کی امارت کے زمانہ میں بدایوں کے ایک گاؤں سے ایک حسین وجمیل لڑکا اس کی مجلس میں آیا اور اپنا ہنر دکھلایا، عدلی نے اس کو اپنے یہاں ملازم رکھ لیا، اس نے ترقی کر کے دس ہزاری منصب پایا، اس کی نزاکت طبع کا یہ حال تھا کہ ایک بار چوگان کھیل کر ایک امیر غازی خاں کی قیام گاہ پر کھانا کھانے بیٹھا تو قلیہ کی مہک سے اس کو غش آگیا،

اس کے طہارت خانہ میں اس قدر کافور ڈالا جاتا تھا کہ حلال خور کئی سیر روزانہ کافور اٹھا کر لے جاتے تھے، حاجت سے فارغ ہو کر کے بعد اس کا رنگ سرخ، زرد اور سبز ہو جاتا، اور وہ کمزوری محسوس کرتا تھا، اس فراغت اور آسودگی کے باوجود وہ روزہ اور نماز کا بہت پابند رہا، کبھی اس پہ قضا نہیں ہوئے، اس نے کبھی کوئی نشہ آور چیز بھی استعمال نہیں کی، (منتخب التواریخ جلد اول ص ۴۲۵-۲۶)

(۵۸)

اکبر کی پیدائش اور ہمایوں کی ناداری اکبر کی ولادت ۵ رجب ۹۴۹ھ میں امرکوٹ کے صحرا میں ہوئی جب کہ ہمایوں اپنی بیگم حمیدہ بیگم سے سندھ ہی میں تیس میل دور

حیران و پریشان پھر رہا تھا، جب ایک سوار یہ مژدہ اس کے پاس لایا، تو اس کے پاس سوار کو انعام دینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا، لیکن اسکے آفتابچی جوہر کے پاس ایک مشک کا نافہ رکھا تھا، اس کو طلب کیا، اور اس کو کھول کر ذرا ذرا مشک اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کیا، اور کہا کہ اس فرزند دلبند کی خوشی میں ہے، جو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہم کو عنایت فرمایا ہے، مشک کی یہ تقسیم مبارک ثابت ہوئی، کیونکہ اکبر کی شمیم اقبال مشک کی طرح تمام عالم میں پھیلی اکبر کی پیدائش کے وقت چاند برج اسد میں تھا، نجومیوں نے بتایا کہ اس گھڑی میں پیدا ہونے والے صاحب اقبال اور لمبی عمر والے ہوتے ہیں، (تذکرۃ الواقعات اردو ترجمہ ص ۷، ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ۵۹)

(۵۹)

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

اکبر ایک برس کا بچہ تھا کہ ہمایوں اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں اس کو دشت غربت میں چھوڑ کر ایران کی طرف چلا گیا، وہ ماہم انگہ کے ساتھ اپنے چچا مرزا عسکری کے پاس قندھار بھیج دیا گیا، جہاں سے مرزا عسکری نے اس کو مرزا کامران کے پاس کابل بھیجدیا، شب برات کے موقع پر مرزا کامران نے ایک دربار آراستہ کیا، وہاں کی رسم کے مطابق اس دن بچے چھوٹے چھوٹے نقاروں سے کھیلتے ہیں، مرزا کامران کے ایک درباری نے اس کے بیٹے کو ایک رنگین نقارہ دیا، اکبر بچہ تھا، وہ بھی نقارہ کے لئے ضد کرنے لگا، مرزا کامران نے دونوں بچوں کا جھگڑا یہ کہہ کر چکانا چاہا کہ دونوں کشتی لڑو، جو پچھاڑ دے اسی کا نقارہ ہوگا، مرزا کامران کا لڑکا سن میں بڑا تھا، اس لئے اس کو خیال ہوا کہ وہ اکبر کو دے ماریگا، اکبر لڑنے کو تیار ہوگیا، اور جب کشتی ہوئی تو اس نے مرزا کامران کے لڑکے کو زمین پر دے مارا، مرزا کامران شرمندہ ہوا، درباریوں کو

ایسا معلوم ہوا کہ اکبر نے اپنے چچا سے اپنے باپ کی حکومت کا دامنہ چھین لیا ہے

(۶۰)

چیتے کا شوق اکبر جب بارہ[۱۲] سال کا تھا، تو ہمایوں نے سرہند میں سکندر خاں افغان کو شکست دی، سکندر خاں کے سامان کے ساتھ ایک چیتا خانہ بھی مالِ غنیمت میں حاصل ہوا جس میں گنگرا ان ایک شخص دوندو نامی تھا، اس نے چیتے کے کرتب کچھ ایسے دکھائے کہ اکبر کو چیتوں سے عشق ہو گیا۔ اور اسی کے بعد سے وہ برابر چیتے ساتھ رکھنے لگا، اور ان کو اس طرح سدھایا کہ وہ اشاروں پر کام کرتے تھے، اور دیکھنے والے حیران رہتے تھے، ان پر کمخواب اور مخمل کی جھولیں ہوتیں گلے میں سونے کی زنجیریں پڑی رہتیں، آنکھوں پر زردوزی چشمے چڑھے رہتے، سفر میں بہلوں پر اکبر کے ساتھ رہتے، ایک دفعہ اکبر پنجاب کے سفر میں تھا کہ ایک جنگل میں ہرن نمودار ہوا، اکبر نے اپنا ایک چیتا اس پر چھوڑ دیا۔ ہرن بھاگا، ایک گڑھا بیچ میں آگیا، ہرن نے جست لگائی تو گڑھے کے پار تھا، چیتا بھی ساتھ اڑا اور اوسی طرح ہوا میں اُکھیا دبوچا جس طرح شہباز کبوتر کو دبوچتا ہے،

(۶۱)

ہاتھیوں سے کھیل اکبر کو ہاتھیوں کا بھی بڑا شوق رہا، مست اور آدم کش ہاتھی کے پاس بے دھڑک پہونچ جاتا، کبھی اس کے دانت، کبھی کان اور کبھی گردن پکڑ کر اس کی پیٹھ پر چڑھ جاتا، اور بے تکلف لڑاتا پھرتا، ایک مرتبہ جب وہ صرف پندرہ[۱۵] سال کا تھا کہ ایک مست ہاتھی شاہی فیل خانہ سے نکل کر بازار کی طرف بھاگا، شہر میں کہرام مچ گیا، ہر شخص ہراساں و پریشان تھا، اکبر کو خبر ملی، تو وہ بھی نکل کھڑا ہوا۔ ادھر اُدھر دیکھ کر ایک کوٹھے پر چڑھ گیا، اور اس کے چھجے پر کھڑا ہوا، اور جب ہاتھی چھجے کے

برابر آیا، تو جھپٹ کر اس کی گردن پر چڑھ گیا، دیکھنے والے متحیر ہو کر چلائے، لیکن مست ہاتھی اکبر کے قابو میں آگیا،

ایک بار ایک مست ہاتھی نے اپنے فیلبان کو مار ڈالا، اور شہر کی طرف دوڑ پڑا جس سے وہاں بھی کچھ لوگ ہلاک ہو گئے، اکبر اپنے محل کے چمن میں چہل قدمی کر رہا تھا، اس کو معلوم ہوا تو ہاتھی کے پاس پہونچا، اور اس کے دونوں دانتوں کو پکڑ کر اس کی پیٹھ پر ہنستا ہوا سوار ہو گیا، پھر اس کو جنگجو ہاتھیوں سے لڑانے لگا، لڑائی میں ایک دوسرا ہاتھی فیلبان کے قابو سے باہر ہو گیا، تو اکبر شیر کی طرح اپنے ہاتھی کی پیٹھ سے اچھل کر اس ہاتھی پر چلا گیا، ہاتھی کی پیٹھ پر ایک ڈوری بندھی ہوئی تھی، اس نے ڈوری کو ہاتھی کی گردن میں لپیٹ دیا اور خود اپنے دونوں پاؤں اس ڈوری میں اٹکا دیئے، جس کے بعد وہ جم کر ہاتھی کو قابو میں لے آیا۔ (اکبر نامہ جلد دوم ص ۷۲۔۷۳)

اکبر کے پاس ایک ہاتھی تھا، جس کا نام اس نے لکھنہ رکھا تھا، اپنی بدمستی اور بدخوئی کے لئے مشہور تھا، ایک روز وہ اس پر سوار ہو کر ایک دوسرے جنگجو ہاتھی سے اس کو لڑانے لگا، لکھنہ نے اپنے حریف ہاتھی کو ٹکر کر بھگا دیا، مگر اس کے پیچھے وہ بھی دوڑا، لیکن اس کا پاؤں ایک گڑھے میں پڑ گیا، فیل بان تو زمین پر گر پڑا، اکبر گرتے گرتے بچا کیونکہ اس کا پاؤں کلاوہ میں اٹک گیا، ہر طرف شور ہوا، اکبر کسی طرح سے ہاتھی پر سے اتر گیا، لیکن جب ہاتھی نے گڑھے میں سے اپنا پاؤں باہر نکال لیا تو پھر اسی پر ہنستا ہوا سوار ہو گیا، (اکبر نامہ جلد دوم ص ۷۳)

اکبر کا ایک اور ہاتھی ہوائی نامی بہت شریر بدخو اور تندرو تھا، ایک بار وہ بدمست ہوا، تو اکبر اس مہیب پیکر کو چوگان بازی کے میدان میں لے گیا، اسی پر سوار ہو کر اس کو

ادھر ادھر دوڑاتا پھرا، پٹیا یا اٹھایا، پھر ایک دوسرے بدمست ہاتھی رن باگھ سے طلب کر کے دونوں کو لڑانا شروع کیا، خود ہوائی پر بیٹھا رہا، دونوں میں زبردست ٹکر ہوئی، اکبر اپنے ہاتھی پر اچھل کر کبھی اس کے سر کے پاس آتا، کبھی پیٹھ پر جا بیٹھتا، درباری اور تماشائی متحیر تھے، اکبر کے دربار کے صدر نشین بوڑھے اتکہ خاں کو خبر ہوئی تو وہ اکبر کے ہاتھی کے پاس گھبرایا ہوا پہونچا، داد خواہوں کی طرح سر ننگا کر لیا، اور مظلوم فریادی کی طرح چیخنے لگا، اکبر نے یہ چیخ پکار سن کر کہا، آپ کیوں بے قرار ہو رہے ہیں، اگر آپ اہتمام سے جا کر نہ بیٹھیں گے تو میں ہاتھی کی پیٹھ پر سے اپنے کو گرا دوں گا، اتکہ خاں خاموش ہو گیا، لیکن اکبر نے اپنے ہاتھی ہوائی سے دوسرے ہاتھی رن باگھ کو مار بھگایا، رن باگھ بھاگتا ہوا جمنا کے اوپر کشتیوں کے پل پر پہونچ گیا، ہوائی بھی وہاں پہونچا، دونوں کے بوجھ سے پل پانی میں ڈوبتا اور ابھرتا رہا، یہ دیکھ کر اکبر کے جاں نثار بھی دریا میں کود پڑے، تماشائیوں کا عجیب عالم تھا، خدا خدا کر کے ہاتھی پار ہوئے، تو دونوں کا زور شور بھی کم ہوا، رن باگھ بھاگا تو ہوائی بھی رک گیا، اکبر کو صحیح سلامت دیکھ کر سب کو اطمینان ہوا، (اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۵۲-۱۵۱)

(۶۲)

شیر سے جنگ اکبر اپنے تیرھویں سال جلوس میں شیر کے شکار میں گیا، اس نے شکار گاہ میں ایک شیر پر بندوق چلائی، وہ زخمی ہو کر غضبناک ہو گیا، اس کے ایک درباری ادہم خاں نے زخمی شیر پر تیر چلایا جو خطا کر گیا، لیکن وہ شیر پر بہادری سے حملہ آور ہوا، اور اس سے لپٹ گیا، اس نے اپنا بایاں ہاتھ شیر کے منھ میں ڈال دیا اور داہنے ہاتھ سے خنجر نکالنا چاہا، اس کا نیام مضبوط بندھا ہوا تھا، اس کے کھولنے میں دیر ہوئی تو شیر نے اس کا ہاتھ چبا ڈالا،

لیکن اس کا ہوش بیکار تھا، اس لئے بڑی بہادری سے خنجر نکال کر شیر کے منھ پر ضربیں لگائیں، شیر نے اس کا دایاں ہاتھ بھی منھ سے پکڑ لیا، اس اثنا میں اور لوگ پہونچ گئے، اور اپنی تلواروں سے شیر کا کام تمام کر دیا، لیکن عادل خاں بہت زخمی ہو گیا، چار مہینے کے بعد وفات پا گیا، (اکبرنامہ جلد دوم ص ۲۹-۳۲۸)

(۶۳)

راجپوتوں کے دلوں کی تسخیر اکبر نے اپنی بادشاہت کے زمانے میں راجپوتوں کے دلوں کی تسخیر کے لئے تمام ممکن ذرائع اختیار کئے، ان سے شادی بیاہ کے رشتے بھی قائم کئے، اس کا نکاح امیر کے کچھواہہ خاندان کے راجہ بہاری مل کی لڑکی یعنی راجہ بھگوان داس کی بہن سے بھی ہوا، اسی کے بطن سے شہزادہ سلیم پیدا ہوا جو آگے چل کر نور الدین جہانگیر کے لقب سے اس کا جانشین ہوا اکبر نے شہزادہ سلیم کی شادی راجہ بھگوان داس کی لڑکی مان بائی سے بھی کی، راجہ بھگوان داس جب اپنی بیٹی کو رخصت کرنے لگا، تو اس نے اکبر سے کہا

ہماری رہے بیٹی تمہارے محلوں کی چیری ہم تا ند غلام رہے،

لیکن اکبر نے فوراً جواب دیا

تمہاری رہے بیٹی تمہارے محلوں کی رانی تم صاحب سردار رہے،

(نقل اللہ ار دو از نصیر حسین خیال ص ۱۳-۱۲)

(۶۴)

محبت و مودت راجہ بھگوان داس ترقی کرکے اکبر کا پنج ہزاری پنج ہزار سوار منصبدار بن گیا تھا، وہ آخر وقت تک اکبر کے دام اخلاص و محبت کا اسیر رہا،

اکبر کے ساتھ میواڑ کے رانا کے خلاف بھی بر سر پیکار ہوا، بڑی بڑی مہموں میں راجہ بھگوان داس اکبر کی معیت میں ضرور رہتا۔ ۹۸۰ھ ۱۵۷۲ء میں اکبر گجرات کی مہم پر گیا، تو راجہ بھگوان داس اور راجہ مان سنگھ بھی اس کے ساتھ تھے، لڑائی کے موقع پر اکبر اپنے خاص گھوڑے نور بیضا پر سوار ہو کر میدانِ جنگ جانے لگا تو گھوڑا یکایک بیٹھ گیا، سب ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے کہ شگون اچھا نہیں ہوا، لیکن راجہ بھگوان داس نے فراست سے کام لیا، اور آگے بڑھ کر اکبر سے مخاطب ہو کر بولا، "فتح مبارک ہو"، اکبر نے سن کر کہا، ایسا ہی ہو، لیکن تم یہ کیسے سمجھے، راجہ نے جواب دیا کہ ہمارے شاستر میں لکھا ہے کہ جب فوج مقابلہ کے لئے تیار ہو اور سیناپتی کا گھوڑا سواری کے وقت بیٹھ جائے، تو فتح اسی کی ہوگی۔ یہ سن کر تمام لشکریوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، جب جنگ شروع ہوئی تو اکبر راجہ بھگوان داس کے ساتھ ایک ٹیلہ پر کھڑا ہو کر جنگ کا معائنہ کر رہا تھا کہ راجہ بھگوان داس اس سے مخاطب ہو کر کہ ہراول پر دباؤ زیادہ ہے، حملہ بے طور ہوا چاہتا ہے، اپنی فوج تھوڑی اور غنیم کا ہجوم زیادہ ہے، چلو ہم تم مل کر جا پڑیں، یہ کہہ کر دونوں نے گھوڑوں کی باگ اٹھائی، اور ان کا یہ دھاوا کامیاب رہا،

اسی جنگ میں اکبر ایک مقام پر کھڑے ہو کر دشمنوں پر تیر چلا رہا تھا، راجہ بھگوان داس اور مان سنگھ بھی اس کے پاس تھے، یکایک دشمن کے تین لشکری آگے بڑھے، ایک راجہ بھگوان داس کی طرف لپکا اور دو اکبر پر حملہ آور ہوئے، راجہ بھگوان داس نے تو دشمن کو مار بھگایا، اکبر دونوں دشمن لشکریوں سے بر سر پیکار ہوا، تو مان سنگھ اکبر کی مدد کے لئے پہونچا ہی چاہتا تھا کہ اکبر نے للکارا کہ وہ اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھے، اور خود اپنا گھوڑا اڑا کر دونوں دشمنوں کو نرغے میں لینا چاہا، راجہ بھگوان داس نے چلا کر مان سنگھ سے کہا، کھڑے ہوئے کیا دیکھتے ہو، آگے بڑھو۔ مان سنگھ نے کہا ظل سبحانی خفا ہوتے ہیں، راجہ بھگوان داس نے

جھلاکر کہا یہ وقت خفگی دیکھنے کا نہیں ہے، اس عرصہ میں اکبر نے دونوں دشمنوں کو مار بھگایا، (تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۲۵۵، منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۴۳، دربار اکبری از محمد حسین آزاد ص ۲۳۲، لکھنؤ اڈیشن)

(۶۵)

راجپوتوں کی دلجوئی

اسی لڑائی میں جب اکبر اپنی فوج کی صفیں درست کر رہا تھا تو دیکھا کہ راجہ ابارامل کا بھتیجا راجہ جے مل کچھواہہ ایک وزنی بکتر پہنے ہوئے ہے، اکبر نے وہ بکتر اتروا لیا، اور اپنی خاصہ کی زرہ پہنا دی، راجہ جے مل اس خصوصی رعایت سے بہت مسرور ہوا، تھوڑی دیر کے بعد راجہ مالدیو (جودھپور) کے پوتے راجہ کرن کو دیکھا، کہ اس کے پاس نہ زرہ ہے اور نہ بکتر، اس نے راجہ جے مل کا بکتر اس کو پہنا دیا، راجہ جے مل کا باپ روپ سی بھی لڑائی میں شریک تھا، اس کو یہ ناگوار گذرا کیونکہ راجہ کرن کے خاندان سے اس کی پشتینی عداوت چلی آرہی تھی، اس نے اکبر کو کہلا بھیجا کہ وہ بکتر میرے بزرگوں کی یادگار ہے، اور بڑا مبارک ہے، اس لئے مجھکو واپس کر دیا جائے، اکبر معاملہ کی تہ کو پہنچ گیا، روپ سی کے پاس کہلا بھیجا کہ خاصہ کی زرہ اور بھی مبارک ہے، لیکن راجہ روپ سی کا غصہ فرو نہ ہوا، اس نے اشتعال میں اسلحۂ جنگ اتار کر پھینک دیا، اور کہا کہ میدان جنگ میں یونہی جاؤنگا، اکبر کو یہ معلوم ہوا تو اس نے بھی اپنی زرہ اتارنے کا ارادہ کر لیا کہ جب میرے لشکری برہنہ ہو کر لڑیں گے تو میں کیونکر زرہ بکتر میں چھپ کر میدان جنگ میں جا سکتا ہوں، راجہ بھگوان داس کو اس کی خبر ملی تو فوراً گھوڑا بڑھا کر جے مل اور روپ سی کے پاس پہونچا، دونوں کو سمجھا کر اور ہتھیار لگوا کے اکبر کے پاس بلایا اور عرض کیا کہ روپ سی نے آج بھنگ زیادہ پی لی تھی، اسی کی لہر کی ترنگ میں تھا، یہ سن کر اکبر کا تردد جاتا رہا،

(اکبر نامہ جلد سوم ص ۰ ۵ - ۹ ۴ ۴، مآثر الامراء جلد دوم ص ۱۱۱)

(۶۶)

راجپوتوں کی شجاعت کا نمونہ ایک موقع پر اکبر کی نجی مجلس میں ہندوستان کے لوگوں کی مردانگی اور شجاعت کا ذکر آیا، راجپوتوں نے بڑھ چڑھ کر کہا کہ اگر دو راجپوت ایک دوسرے کے سامنے برچھے لیکر دوڑ پڑیں تو وہ دونوں برچھے کو سینے میں پیوست ہو جانا پسند کریں گے، لیکن کترانا پسند نہ کریں گے، یہ سنکر اکبر کی مردانگی جوش میں آ گئی، اس نے حکم دیا، کہ اس کی تلوار کا قبضہ ایک دیوار میں اس طرح نصب کیا جائے، کہ اس کا پھل باہر نکلا رہے اور جب اس حکم کی تعمیل ہوئی، تو وہ آگے بڑھ کر تلوار کی نوک اپنے سینے میں پیوست کرنا چاہتا ہی تھا کہ راجہ بھگوان داس کا لڑکا راجہ مان سنگھ دوڑ کر دیوار سے تلوار نکال کر دور پھینک دی، اکبر جھنجلایا مان سنگھ کو زمین پر دے مارا، اس کشتم کشتا میں اکبر کے انگوٹھے میں زخم آگیا، اکبر کا ایک دوسرا درباری امیر مظفر سلطان نے جب یہ دیکھا تو اس نے اکبر کے زخمی ہاتھ مروڑ کر مان سنگھ کو چھڑایا، (اکبر نامہ جلد سوم ص ۳۰)

(۶۷)

راجپوت کی وفاداری راجہ مان سنگھ سے اکبر کو بہت محبت تھی، اس کو غایت محبت میں راجہ فرزند کہا کرتا تھا، راجہ مان سنگھ کو بھی اکبر سے والہانہ لگاؤ رہا، وہ میدان جنگ میں اکبر کے گھوڑے کی باگ سے اپنی باگ ملائے رکھتا، وہ وہ اکبر کی خاطر رانا پرتاپ سے بڑی بہادری سے لڑا، جس کے بعد ملا عبدالقادر بدایونی کو یہ کہنا پڑا کہ ملا شیری کے اس مصرع

" ہندو می زند شمشیر اسلام "

کی تصدیق ہو گئی،

(۶۹)

مذہبی لگاؤ راجہ مان سنگھ بھی اکبر کی محبت کا صلہ اپنی سرفروشی اور جانبازی کا جوہر دکھلا کر ادا کرتا رہا، لیکن مذہب کے معاملہ میں اکبر کے سامنے جھکنا پسند نہیں کیا، ایک سال محرم کے مہینہ کے عاشورہ کی رات تھی، اکبر اپنے خلوت خانہ میں عبدالرحیم خان خاناں اور راجہ مان سنگھ کے ساتھ بیٹھا تھا، اس زمانہ میں وہ دین الٰہی کا علمبردار بن چکا تھا، لیکن مان سنگھ نے اس مذہب کو قبول کرنا پسند نہیں کیا تھا، خلوت میں موقع پاکر اکبر نے راجہ مان سنگھ کو دین الٰہی کی ترغیب دلائی، لیکن وہ اخلاص و وفا کا پیکر بہت ہی بے تکلفانہ طور پر بول اٹھا کہ اگر اس مریدی سے مراد جاں نثاری ہے تو میں تو ہر موقع پر اپنی جان ہتھیلی پر لئے حاضر رہا ہوں، پھر امتحان لینے کی ضرورت نہیں، اس کے علاوہ کچھ اور منشا ہے تو اس کا تعلق مذہب سے ہے، میں ہندو ہوں، اگر آپ کہیں تو مسلمان ہو جاؤں، ان دونوں راستوں کے علاوہ کسی اور راستہ پر چلنا نہیں جانتا ہوں،" یہ سنکر اکبر خاموش ہو گیا، (منتخب التواریخ جلد دوم ص ۳۶۴)

(۷۰)

لشکریوں کیساتھ رواداری راجہ مان سنگھ کا معمول یہ تھا کہ جب کسی مہم پر فوجی سردار بن کر جاتا تو وہ اپنے مسلمان لشکریوں کے لئے لشکر میں غسل کرنے کے لئے حمام اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے کپڑے گھیر کر مسجد کا بھی پورا انتظام کرتا، اور ایک وقت کا کھانا بھی ان کو اپنی طرف سے کھلاتا، ایک بار وہ دکن کی مہم پر گیا تو پندرہ پنج ہزاری اور سترہ سو دوسرے منصبدار اس کے ساتھ تھے، ان ہی میں خان جہاں لودی خانخاناں عبدالرحیم خاں اور امیر الامراء شریف خاں بھی تھے، یہ لشکر بالاگھاٹ میں مقیم ہوا

تو سخت قحط پڑ گیا، راستے کی خرابی سے باہر سے رسد بھی نہیں پہونچی ایک روپیہ میں بھی ایک سیر آٹا نہ ملتا، فوجی سرداروں میں مشورے ہوئے، لیکن کوئی تدبیر ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، ایک روز راجہ مان سنگھ نے ان سے کہا کہ اگر میں مسلمان ہوتا تو ایک وقت آپ لوگوں کے ساتھ کھانا کھا لیتا، لیکن اب جب کہ داڑھی سفید ہو گئی ہے، اپنی وضعداری کو ختم کرتے بن نہیں پڑتا البتہ ایک بات ہے، آپ لوگوں کو پیش کروں، تو آپ لوگ قبول فرمائیں، خانجہاں لودی بول اٹھا کہ میں قبول کرونگا، اس کے بعد تمام منصبداروں نے یہی کہا، راجہ مان سنگھ نے اسی وقت کو ہر پنج ہزاری کو ایک سو اور اسی حساب سے ایک صدی تک کے تمام منصب داروں کے لئے روپے ایک ایک تھیلے میں رکھ کر ان کے پاس بھیجے، اور ہر تھیلہ پر سب کے علٰحدہ علٰحدہ نام لکھدیئے، یہ سلسلہ تین چار مہینے تک بلا ناغہ قائم رہا، اور جب لشکر میں غلہ آ پہنچا تو اس کے حکم سے اسی نرخ میں فروخت ہونے لگا، جس میں انبیر میں فروخت ہوتا تھا۔ (مآثر الامرا، جلد دوم ص ۱۶۹-۱۶۸)

(۷۱)

اسلام اور ہندو مت پر مناظرہ

راجہ مان سنگھ کے دربار میں سید اور برہمن دونوں جمع رہتے تھے، ایک روز سید اور برہمن دونوں میں اسلام اور ہندو مذہب پر بحث ہونے لگی، کوئی دوسرے کو اپنے مذہب کی فوقیت کا قائل نہ کر سکا، دونوں نے راجہ مان سنگھ سے کہا کہ اس بحث کو سننے کے بعد وہ اپنی رائے کا اظہار کریں، راجہ مان سنگھ نے کہا اگر میں اسلام کو ترجیح دوں تو لوگ کہیں گے کہ بادشاہ وقت کی خوشنودی میں ترجیح دیدی ہے اور اگر ہندو مت کو ترجیح دوں تو جانب داری کا الزام آئے گا، لیکن جب لوگوں نے اصرار کیا تو اس نے کہا کہ میں کچھ اور تو نہیں جانتا ہوں، لیکن یہ

ضرور دیکھتا ہوں کہ ہندوؤں کا کوئی کتنا ہی بڑا صاحب کمال ہو، وہ مرجاتا ہے، تو وہ جلا دیا جاتا ہے، اور اسکی خاک ہوا میں اڑ جاتی ہے، لیکن جہاں وہ جلایا جاتا ہے، وہاں رات کو کوئی جاتا ہے تو اسکو آسیب کا خطرہ رہتا ہے، لیکن اسلام کے بزرگوں کا یہ حال ہے کہ ہر شہر اور ہر قصبہ میں وہ ابدی نیند سو رہے ہیں، لوگ ان کے مزار پر جاکر برکات حاصل کرتے ہیں، اور طرح طرح کی مجلسیں منعقد کرتے رہتے ہیں، (ماثر الامرا جلد دوم ص ۱۷۰ - ۱۶۹)

(۷۲)

تبدیل مذہب سے گریز راجہ مان سنگھ مسلمانوں کے صاحب کمال درویشوں کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتا تھا، ایک بار بنگال جارہا تھا تو راستہ میں مونگیر کے ایک بزرگ شاہ دولت کی خدمت میں حاضر ہوا، شاہ دولت نے اس کے اوصاف سے متاثر ہو کر کہا کہ اس دانش و فہم کے بعد کیوں مسلمان نہیں ہوجاتے، راجہ مان سنگھ نے کہا کلام الٰہی میں تو کہدیا گیا ختم اللہ علی قلوبھم اسی کی مہر لگی ہوئی ہے، (ماثر الامرا جلد دوم ص ۱۷۰)

(۷۳)

شاہانہ الطاف راجہ ٹوڈرمل اکبر کا بڑا ممتاز درباری امیر تھا، اس نے اکبر کی پوری مملکت کی مالی جمع بندی کر کے بڑی شہرت حاصل کی، چار ہزاری منصب پر بھی فائز ہوا، کھتری تھا، لیکن فوجی مہمات میں بھی بڑی کارگذاریاں دکھائیں، پٹنہ، بنگال اور گجرات میں اس کے فوجی اور انتظامی کارناموں سے اکبر بہت متاثر تھا، وہ موتمن الدولہ عمدۃ الملک کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا، ابوالفضل نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ راستی، خدمت گذاری، معاملہ شناسی، مردانگی، معاشی کارگذاری اور سرداری کے اعتبار سے یگانہ،

روزگار تھا لیکن بڑا کینہ پرور اور متعصب تھا، ابوالفضل نے یہ بھی لکھا ہے، کہ اگر اس میں مذہبی تعصب اور کینہ پروری نہ ہوتی تو اس کا شمار معنوی بزرگوں میں ہوتا، اس کو معمولی ناگواری بھی ہو جاتی تو اس کا انتقام ضرور لیتا، ابوالفضل اس کے متعلق اچھے خیالات نہیں رکھتا تھا، اور وہ اکبر کا بہت ہی محبوب رہا، اس نے ایکبار اکبر سے ٹوڈرمل کی شکایت کی، جس سے شاید یہ مراد تھی کہ ٹوڈرمل کو اس کے عہدہ سے ہٹایا جائے، لیکن اکبر نے ابوالفضل کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا، کہ جس کو نواز دیا، اس کو اسکے درجہ سے گرانا مناسب نہیں، (ماثرالامراء جلد دوم ص ۱۲۷)

(۴۲)

شاہانہ سوگ اکبر کا بہت ہی محبوب درباری راجہ بیربر تھا، اس کا اصلی نام مہیش داس تھا، بھاٹ تھا، اپنی مفلسی اور ناداری کی وجہ سے مالدار لوگوں کی تعریف و ستایش کر کے زندگی بسر کرتا تھا، جب اکبر کے دربار میں پہونچا تو اپنی ذکاوت، فہم، سخن سنجی اور لطیفہ گوئی سے اس کا خاص ندیم ہو گیا، اور دربار کے تمام مقربین سے بازی لے گیا، اکبر سے ایسی بے تکلفی بڑھی کہ آرام کے وقت حرم سرا کے اندر بھی بلالیا جاتا، اور وہ اپنے چٹکلوں اور پہیلیوں سے اس کو خوش کیا کرتا تھا، اکبر دربار میں کسی سے گفتگو کرتا تو اکثر اس کا روئے سخن بیربر کی طرف ہوتا تھا، رفتہ رفتہ دونوں ایک جان دو قالب ہو گئے، اسی لئے اکبر نے فتح پور سیکری میں اس کا مکان اپنے محل کے بغل ہی میں تعمیر کرایا، یہ خوبصورت مکان فتح پور سیکری کے محل کے پاس اب بھی موجود ہے، وہ ہندی میں اشعار بھی کہتا تھا، اس لئے اکبر نے اس کو راے کا خطاب دیا، جو تقریباً ملک الشعراء کے ہم معنی ہے، اسکو صاحب السیف والقلم کا خطاب بھی دیا گیا تھا، وہ مہیش داس سے راجہ بیربر ہو گیا، بیربر کے معنی شجاع کے ہیں، اکبر کے تیسویں سال جلوس میں وہ یوسف زئی قبیلے کی سرکوبی

کے لئے سوات کے کوہستانی علاقہ میں بھیجا گیا، مگر وہاں اس مہم میں ایسا ہلاک ہوا کہ کہیں اس کی لاش کا پتہ نہ چل سکا، اکبر کو اس کی موت کی خبر ملی تو دو روز تک کچھ کھایا پیا نہیں، اور نہایت حسرت سے کہا تھا کہ اس کی لاش گھاٹی سے لائی جاتی تو اس کو چتا نصیب ہوتی، پھر یہ کہہ کر اپنے کو تسلی دیتا کہ وہ وارستہ مزاج تھا، اس لئے پابندیوں سے آزاد رہا، اس کو پاک کرنے کے لئے نیر اعظم کی تمازت کافی ہے، ویسے اس کو پاکی کی ضرورت نہ تھی، اکبر نے اس کی موت پر ہندی میں یہ غمناک شعر بھی کہا تھا،

دین دیکھی سب دین ایک نہ دینو دسہ دکھ سو ہم کہوں اپ دین کچھو نہیں بیربل

(۷۵)

دل جوئی کی خاطر شاہانہ عتاب،

اکبر دین الٰہی کا بانی ہوا، تو اس نے ایک روز راجہ بیربر کی موجودگی میں اپنے درباری امراء میں سے قطب الدین محمد خاں، شہباز خاں وغیرہ کو اسلام چھوڑ کر اس نئے دین کو اختیار کرنے کی ترغیب دی، ان امیروں نے بادشاہ کا کہنا نہ مانا، قطب الدین محمد خاں نے اس سے کہا کہ روم وغیرہ کے فرماں روا ایسی باتیں سنیں گے تو آخر کیا کہیں گے، وہ سب اسی مذہب اسلام پر ایمان رکھتے ہیں، خواہ یہ تقلیدی ہو یا کچھ اور، اکبر نے تعرض کرتے ہوئے کہا تم روم کے فرماں روا کی خاطر اس سختی سے باتیں کر رہے ہو، تاکہ تم یہاں سے اس کے پاس جاکر اپنا اعتبار قائم کرو، شہباز خاں نے بھی تیز اور تند گفتگو کی، راجہ بیربر بیچ میں بول اٹھا، ملا عبد القادر بدایونی کے بیان کے مطابق وہ اکبر کا مزاج شناس ہو کر اسلام پر طنز کیا کرتا تھا، بلکہ اعلانیہ گالیاں دیا کرتا تھا، اس کے بول اٹھنے پر شہباز خاں نے اس کو سخت سست سنا کر کہا، "ہم تجھ کو اس کا مزہ چکھائے بغیر نہیں رہیں گے" بڑی بدمزگی پیدا ہو گئی، اکبر راجہ بیربر کی اہانت برداشت نہ کر سکا،

اس نے ان امراء سے کہا، "چپ رہو، ورنہ ہم تمھارے منہ پر نجاست بھری جوتیاں مارنے کا حکم دیدیںگے، (منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۷۴-۲۷۳)

(۷۶)

شاہانہ عفو اکبر کے دربار میں ایک ہندی شاعر سورج داس امین کے عہدہ پر مامور تھا، ایک موقع پر اس نے سادھوؤں کی تواضع اور دعوت میں شاہی خزانہ میں سے تیرہ لاکھ دام خرچ کر دیئے، اور حسب ذیل ہندی شعر لکھ کر روپوش ہوگیا،

تیرہ لاکھ سنڈیلے آئے سب سادھوؤں میلی گُٹکے

سورج داس مدن موہن کوی اداتی ادھی ہی سٹکے

اکبر کو یہ معلوم ہوا تو سورج داس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی، (مڈیول انڈیا کواٹرلی، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، جولائی، اکتوبر ۱۹۵۰ء)

(۷۷)

شاہانہ عقیدت اکبر کو حضرت سلیم چشتیؒ سے بڑی عقیدت تھی، وہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کی اولاد میں تھے، ان کا خاندان پاک پٹن چھوڑ کر دہلی میں آباد ہوگیا تھا، یہیں حضرت سلیم چشتی ۸۸۴ھ (مطابق ۱۴۷۹ء) میں پیدا ہوئے، یہ زمانہ سلطان بہلول لودی کا تھا، ان کے والدین دہلی سے قصبہ سیکری چلے آئے، تعلیم انھوں نے سرہند میں پائی، جب ۲۰ برس کے تھے تو زیارت حرمین شریفین کا شوق پیدا ہوا، حج کے بعد ایک مدت مدید تک اسلامی ممالک کی سیاحت کرتے رہے، اور وہاں کے بزرگوں سے فیوض حاصل کیے، اس اثنا میں چودہ بار حج کیے، وہاں سے سیکری واپس آتے تو یہاں سے حج کو تشریف لے گئے واپسی میں سیکری میں ایک خانقاہ تعمیر

کرائی، تقریباً ۹۴ سال کی عمر میں ۹۷۹ھ (مطابق ۱۵۷۱ء) وفات پائی،

اکبر کے کئی بچے پیدا ہوئے، لیکن وہ مر گئے، اس کو اولاد کی بڑی آرزو تھی، جس کے لئے وہ درویشوں کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، وہ شیخ سلیمؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا، ایک دن وہ ان کی خدمت میں حاضر تھا کہ ان کو بے خودی کے عالم میں اس نے ان سے پوچھا کہ حضرت میرے کتنے فرزند ہونگے، فرمایا کہ خداوند تعالیٰ تمہیں تین فرزند دیگا، یہ سن کر اکبر نے کہا کہ وہ اپنے پہلے فرزند کو انہی کے دامن تربیت میں ڈال دیگا، شیخ سلیم نے جواب دیا، مبارک باشد، میں بھی اس کو اپنا ہم نام بناؤں گا، انہی دنوں اکبر کی بیوی جو راجہ بہارا مل کی بیٹی اور راجہ مان سنگھ کی پھوپھی تھی، حاملہ ہو گئی، اکبر نے اس کو شیخ چشتی کے گھر بھیجدیا، اور اس کے لئے ایک عمارت بنوائی جو رنگ محل کے نام سے مشہور ہوئی، پھر شیخ کے لئے ایک عالیشان خانقاہ اور مسجد کی تعمیر کا حکم دیا، ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو راجہ بہارا مل کی بیٹی سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام سلیم رکھا گیا، اکبر کو بڑی مسرت ہوئی، قیدی آزاد کئے گئے، اکبر آگرہ سے اجمیر شریف تک پاپیادہ جا کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ میں شکرانہ ادا کیا، پھر اس خوشی میں آگرہ سے سیکری میں اپنا دارالسلطنت منتقل کر دیا، جہاں دیوان دولت اور شبستان حشمت کے نام سے بڑی شاندار عمارتیں بنائی گئیں، اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ پہاڑی جنگلی علاقہ عالیشان محلات سنگین اور گچ کاری کی عمارتوں بالاخانوں، حماموں، سرسبز باغوں، سیرگاہوں، چوڑے چوڑے بازاروں اور دلکش دکانوں سے آباد ہو گیا، محلات کے علاوہ حضرت سلیم چشتی کے لئے جو خانقاہ اور مسجد بنائی گئی، وہ بھی سیاحوں کے لئے بڑی کشش رکھتی ہیں، یہ پانچ برس میں

پانچ لاکھ روپے میں تیار ہوئیں، دونوں عمارتیں سنگ سرخ کی ہیں، ملا عبدالقادر بدایونی نے اس مسجد اور خانقاہ کی تاریخ یہ کہہ کر نکالی،

بیت معمورہ آمدہ از آسمال

اس میں داخل ہونے کے لئے ایک بلند دروازہ بنایا جو اپنی بلندی اور مضبوطی کے لحاظ سے ایک اپنی مثال آپ ہے، ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ شیخ سلیم چشتی نے اپنے گھر کی عورتوں کو بادشاہ سے بے پردہ کر دیا تھا، ان کے عزیزوں اور لڑکوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے ہماری بیویوں کو ہم سے بیگانہ کر دیا، شیخ نے جواب دیا کہ دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں ہے، میں نے تمکو امیر بنا دیا ہے، دوسری بیویاں کر لینا، آخر اس میں نقصان کیا ہے؎

یا مکن با فیل بانان دوستی   یا بنا کن خانۂ در خورد فیل

(تزک جہانگیری ص ۲، اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۴۴-۳۴۳ منتخب التواریخ جلد دوم ص ۱۰۹)

(۷۸)

شاہانہ عتاب اکبر کی رضاعی ماں ماہم انگہ تھی، وہ اسکو بہت ہی عزیز رکھتا تھا اسی لئے وہ اپنی عقل و دانش کی وجہ سے پوری سلطنت پر چھا گئی، اور اکبر کے بجائے کچھ دنوں وہی حکومت کرتی رہی، اسی کے مشورے سے بڑے بڑے عہدے تقسیم کئے جاتے تھے، لیکن اکبر اس سے بدظن ہو گیا تو اس نے آتکہ خان کو وزیر مملکت بنایا، جس کے بعد ماہم انگہ کا سارا اقتدار جاتا رہا، یہ بات ماہم انگہ کے لڑکے ادہم خاں کو ناگوار گذری، اس کو بادشاہ کے تقرب پر بڑا ناز تھا، ایک روز اس نے دربار میں آتکہ خاں پر حملہ کر کے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اور اسی طرح شمشیر بدست اکڑتا ہوا شاہی حرم کے دروازہ پر جا کھڑا ہوا، شور ہوا تو اکبر نکل پڑا اور اس نے مشتعل ہو کر ادہم خاں کو محل کی فصیل سے نیچے پھنکوا کر ہلاک کرا دیا

اکبر کو بعد میں دکھ ہوا کہ اس نے اپنی رضاعی ماں کے لڑکے کو ہلاک کر ڈالا، اس لئے وہ خود ماہم انگہ کے پاس پہونچا جو اس وقت بستر علالت پر تھی اور جب اس نے ادھم خاں کی موت کی خبر اس کو دی، تو اس عاقلۂ روزگار نے صرف اتنا کہا "خوب کردید" لیکن پھر بیٹے کے غم میں چالیس روز کے بعد خود چل بسی، اکبر اس کی وفات پر خوب پھوٹ پھوٹ کر رویا، اور پھر اپنی رواداری کا یہ ثبوت دیا کہ ان دونوں کی لئے دہلی میں حضرت بختیار کاکیؒ کے مزار اقدس کے جوار میں ایک شاندار مقبرہ بنوایا جس کو سیاح اب تک شوق سے دیکھتے ہیں، (اکبر نامہ جلد دوم، ص ۱۷۳-۱۷۷ او منتخب التواریخ جلد دوم ص ۵۳)

(۷۹)

شاہانہ سوگ ابوالفیض فیضی اکبر کا محبوب ترین دوست تھا، وہ عربی، فارسی اور سنسکرت کا بڑا عالم تھا بے مثل شاعر بھی تھا، اکبر نے اس کو ملک الشعراء کا خطاب عطا کیا، وہ اس کی شاعری کی رنگین تشبیہات، بلند مضامین، نازک خیالات اور زبان کی فصاحت کی وجہ سے اس کو ہمیشہ اپنی صحبت میں رکھتا تھا، شہزادوں کی تعلیم بھی اس کے ذمہ تھی، ایک موقع پر شاہ عباس صفوی نے اکبر کے پاس کچھ تحفے بھیجے اور ایک مکتوب لکھا جس کے سرورق پر یہ رباعی درج تھی،

زنگی بسپاہ و خیل و لشکر نازد رومی بسنان و تیغ و خنجر نازد
اکبر بہ خزینہ پُر از زر نازد عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد

ایرانی ایلچی نے یہ رُباعی اکبر کے دربار میں پڑھی تو ہر شخص چونک اٹھا، اکبر نے فیضی کی طرف دیکھا، فیضی اپنے محبوب شاہی آقا کی سبکی برداشت نہ کر سکا، اور فی البدیہہ یہ رباعی کہہ کر پڑھی،

فردوس بہ سلسبیل و کوثر نازد — دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد
عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد — کونین بہ ذات پاک اکبر نازد

اس کو سنکر دربار میں مسرت و افتخار کی ایک لہر دوڑ گئی، فیضی اکبر کا اور بھی زیادہ دوست بن گیا، اس نے ۱۰۰۴ھ میں وفات پائی، جب بستر مرگ پر تھا، تو ایک رات اکبر کو خبر ہوئی کہ وہ عالم نزع میں ہے، آدھی رات گذر چکی تھی، اکبر اپنے محبوب دوست کے گھر پر اسی وقت شاہی حکیم لے کر پہنچا، اضطراب میں فیضی کا سر پکڑ کر بولا "شیخ جیو! حکیم علی کو ساتھ لایا ہوں، بولتے کیوں نہیں ہو"، مگر فیضی کی زبان بند ہو چکی تھی، اکبر نے پھر جھنجھوڑا، لیکن اس مرتبہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، غایتِ اضطراب اور صدمہ میں اکبر نے سر سے دستار اتار کر زمین پر پھینک دی (منتخب التواریخ جلد اوّل ص ۴۰۲، مآثر الامراء جلد دوم ص ۵۸۴، بزم تیموریہ ص ۱۷۵-۷۶)

فیضی کا بھائی ابوالفضل بھی اکبر کا بہت ہی محبوب درباری رہا، وہ فارسی کا بہت ہی جادو نگار انشا پرداز تھا، محمد حسین آزاد نے اسکو انشا پردازی کا خدا کہا ہے، اکبر کا معاصر عبداللہ شاہ بخاری کہا کرتا تھا کہ وہ اکبر کے تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا تھا جتنا کہ ابوالفضل کے قلم سے ڈرتا ہے، یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اکبر اپنے کارناموں کی وجہ سے اکبر اعظم ہوا، یا ابوالفضل کے اکبرنامہ کی وجہ سے، اس لقب سے دنیا میں مشہور ہوا، ابوالفضل نے اپنے کو مٹا کر اکبر کی مزاج شناسی کی، وہ ایک جید عالم بھی تھا، لیکن اکبر نے دین الٰہی قائم کیا تو وہ اس کا علمبردار بن گیا، ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ ایک روز انھوں نے اس سے پوچھا کہ مشہور مذہبوں میں تمھارا میلان کس مذہب کی طرف ہے، تو اس نے کہا "میں تو ابھی چند دن اباحت کی وادی میں سیر و سیاحت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، ملا صاحب نے مذاقاً چھیڑتے ہوئے

کہا، پھر تم اپنی بیوی کو طلاق دیدو، جیسا کہ مشہور ہے۔

برداشت غل شرع تابیدا یزدی   درگردن زمانہ علی ذکرہ السلام

ابوالفضل یہ سن کر ہنس پڑا، وہ اپنے شاہی آقا کی خاطر دربار کے بوڑھے اور معزز لوگوں مثلاً شیخ صدر، قاضی، حکیم الملک اور مخدوم الملک وغیرہ سے بڑی جسارت سے چھیڑ چھاڑ کر مذہبی بحثیں کیا کرتا تھا، اور ان کو خفیف کرکے اکبر کو خوش کیا کرتا تھا، ایک روز بوڑھے علمار نے اس سے دریافت کرایا کہ وہ کیوں ان کے پیچھے پڑا رہتا ہے، تو اس نے جواب دیا، میں بادشاہ کا نوکر ہوں، بادشاہ کے بیگن کا نوکر نہیں ہوں۔ (منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۶۲)

مآثر الامراء کے مصنف نے لکھا ہے کہ ابوالفضل کے کفر کا چرچا خاص و عام کی زبان پر رہتا، کچھ لوگ اس کو آفتاب پرست، دہریہ، زندیق اور ملحد کہتے، کچھ لوگ اس کو صلح کل، وسیع مشرب، ہمہ اوست کا قائل، شریعت سے آزاد، اور طریقہ اباحیت کا پابند سمجھتے، مآثر الامراء کے مصنف نے اس کی بہت سی خوبیاں بھی لکھی ہیں، اس میں طبیعت کی بڑی جدت، ذہن کی غیر معمولی رسائی، فطرت کی بلندی اور گویائی کی بڑی قوت تھی جس کی مدد سے وہ تھوڑے ہی عرصہ میں بے مثل اور بے نظیر ہو گیا، وہ اپنے شاہی آقا کی خوشنودی میں اپنے مذہبی عقائد میں ضرور بھٹک گیا تھا، لیکن وہ راتوں کو درویشوں کے گھروں پر جاکر ان کو اشرفیاں دیا کرتا تھا، اور ان سے درخواست کرتا کہ وہ ان کے ایمان کے لئے دعائیں کریں، وہ زانو پر ہاتھ مارتا، اور سرد آہ کھینچ کر کہتا آہ کیا کرنا چاہئے، اس کی سرکار میں بدگوئی نہیں ہوتی جس کسی کو وہ حاکم مقرر کرتا، اگر وہ برا بھی ثابت ہوتا، تو حتی الوسع اس کو نہ بدلتا،

مآثر الامراء کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایک روز شہزادہ سلیم شیخ ابوالفضل کے مکان پر گیا تو دیکھا کہ چالیس کاتب بیٹھے ہوئے قرآن اور تفسیر لکھ رہے ہیں، وہ ان سب کو کتاب کے

اجزار کے ساتھ بادشاہ کے پاس لے گیا، اور بولا شیخ ہم کو دوسری باتوں کی ترغیب دیتے ہیں، اور تنہائی میں کچھ اور ہی کام کرتے ہیں، مآثر الامراء کے مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ جہانگیر بادشاہ خود لکھتا ہے کہ چونکہ شیخ ابوالفضل نے میرے والد کو اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے انتہا فصیح تھے، اس لئے قرآن ان ہی کا کلام ہے، اپس دکن سے آنے کے وقت میں نے ہرسنگھ دیو سے کہا کہ اسکو قتل کر دے، اس کے بعد میرے والد نے یہ اعتقاد چھوڑ دیا،

ابوالفضل کے قتل کی خبر دربار میں پہنچی تو کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اکبر کو جا کر خبر دے، بالآخر اس کے وکیل نے نیلے رنگ کا رومال باندھا، اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا، قدیم ضابطہ کے مطابق شہزادہ کے موت کی خبر اسی طرح دی جاتی تھی، اکبر کو شیخ کی موت کی خبر ملی تو بول اٹھا کہ اگر شہزادہ کو بادشاہت کی ضرورت تھی تو مجھ کو قتل کر دیتا، مگر شیخ کو چھوڑ دیتا، اور فوراً ہی یہ شعر پڑھا،

شیخ ما از شوق بیحد چوں سوئے ما آمدہ ز اشتیاق پائے بوسی بے سروپا آمدہ

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب اکبر کو ابوالفضل کے قتل کی خبر ملی تو اس کے منھ سے ایک چیخ نکلی اور بیہوش ہوگیا، جب اس کو ہوش آیا تو کئی دن تک وہ اپنے رئیس مجلس خاص، ہمدم خلوت کدہ اختصاص مشار صائب رائے، ابوا داد راستی سرائے کو یاد کر کے اشکبار رہا، (اکبرنامہ جلد سوم تتمہ ص ۱۳۸)

اکبر کے دربار کے خان اعظم نے خوش ہو کر اسکی وفات کی یہ تاریخ نکالی،

تیغ اعجاز نبی اللہ سر باغی برید

مآثر الامراء کے مصنف کا بیان ہے کہ اس تاریخ کے بعد لوگوں کی روایت ہے کہ شیخ ابوالفضل نے خواب میں آکر کہا کہ میری تاریخ وفات "بندہ ابوالفضل است" ہے، تم اس کا

کارخانہ قدرت میں کیوں حیران ہو، اس کا فضل بہت وسیع ہے، اس سے کسی کو ناامید ہونے کی ضرورت نہیں،

ماٰثرالامرا، ہی کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں شاہ ابوالمعالی لاہور کے ایک مشہور بزرگ تھے، وہ ابوالفضل کو پسند نہیں کرتے تھے، لیکن لوگ نقل کرتے ہیں، کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ابوالفضل کو حاضر کیا گیا، آپ نے اپنا جبۂ مبارک شیخ پر ڈال دیا، مجلس میں بٹھایا، اور فرمایا کہ یہ شخص اپنی چند روزہ زندگی میں برے افعال کا ضرور مرتکب ہوا، لیکن اس کی نجات کا ذریعہ اس کی ایک مناجات ہوگئی، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

الٰہی نیکاں را بوسیلہ نیکی سرفرازی بخشی ۔۔۔ وبداں را باقتضائے کرم دلنوازی کن

(ماٰثرالامرا، جلد دوم ص ۶۲۱-۶۰۸)

(۸۰)

علوم و فنون کی مہارت فتح اللہ شیرازی سادات میں سے تھے، ایران ہی میں ان کے علم کی بڑی شہرت ہوئی، وہ ایران کے حکام اور اکابر کے مشیر رہے، تفسیر، حدیث، کلام، عربی زبان، حکمت، ہیئت، ہندسہ، نجوم، رمل، حساب، طلسمات و نیرنجات اور جر اثقال میں ان کے علم کی بڑی دھوم تھی، عادل شاہ بیجاپوری نے ان کو شیراز سے دکن بلایا، اور اپنا وکیل مطلق بنایا، اس کی وفات کے بعد اکبر نے خاص فرمان بھیج کر اپنے یہاں طلب کیا، ان کو صدر کا عہدہ دیا پھر امیرالملک بنائے گئے، ملکی اور مالی اصلاحات میں ٹوڈرمل سے زیادہ انہی کا دماغ کام کرتا رہا، اسی لئے اکبر نے ان کو عضدالدولہ کا خطاب دیا، پہلوانی میں بھی ماہر تھے، اور رستم کی طرح جانبازی دکھاتے تھے، دکن کی مہمات سر کرنے کے لئے بھی بھیجے گئے، اکبر کے چونتیسویں سال جلوس یعنی ۹۹۷ھ (۱۵۸۸ء) میں وفات پاگئے، ان کی موت سے

اکبر کو بڑا دکھ ہوا، کہتا کہ وہ ہمارے وکیل، حکیم، طبیب اور منجم سب ہی کچھ تھے، اگر وہ فرنگیوں کے ہاتھ میں پڑ جاتے، اور اس کے بدلے فرنگی ہمارا سارا خزانہ مانگتے، تو بھی ان کے لئے سودا سستا ہوتا، ابوالفضل بھی ان کا بڑا قائل تھا، وہ کہتا کہ اگر امیر فتح اللہ شیرازی کی زندگی میں علم و حکمت کی ساری کتابیں ختم ہو جائیں تو وہ ازسرنو سب کو لکھ دیتے، اکبرنامہ جلد سوم ص ۵۷۰ میں ہے

"آں مایہ شناسائی دارد کہ اگر کہن نامہائے دانش بہ نیستی سرا در شوند، اساس نو برنہد و بداں در فتنا آرزو نبرد"

طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین احمد بخشی نے لکھا ہے کہ میر فتح اللہ تمام علوم عقلی و نقلی میں ایران اور ہندوستان بلکہ دنیا میں اپنی مثال آپ تھے، ان کو نیرنجات اور طلسمات میں بڑی مہارت تھی، انھوں نے ایک ایسی چکی ایجاد کی تھی، جو خود حرکت کرتی اور آٹا پیستی تھی، ایک ایسا آئینہ بھی ایجاد کیا تھا جس میں دور اور نزدیک سے عجیب و غریب شکلیں دکھائی دیتی تھیں، ان کی ایک ایجاد کردہ چرخی سے بیک وقت بارہ بندوقیں سر ہوتی تھیں، ایک قلعہ شکن توپ بھی بنائی تھی جو چوڑیوں کی طرح الگ ہو جاتی تھی، ان کو درس و تدریس سے بھی بڑا شوق تھا، ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ وہ مجلسوں میں تو بہت خلیق متواضع اور نیک نفس رہتے، لیکن جب شاگردوں کو پڑھاتے تو ان کی زبان پر بہت فحش اور رکیک الفاظ ہوتے، مآثرالامراء کے مصنف نے لکھا ہے کہ مشہور ہے کہ میر فتح اللہ اس علم و فضل کے باوجود کہا کرتے کہ اگر میں وحدت کو اختیار کرنے والے اور کثرت کو آراستہ کرنے والے شہنشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوتا، تو خداشناسی کا راستہ نہیں ملتا، ان کی وفات کشمیر میں ہوئی، اور پہلے میر سید علی ہمدانی کی خانقاہ میں دفن ہوئے، اکبر ان کو بہت محبوب رکھتا تھا، اسلئے اس کے حکم سے وہاں سے

لاکر ان کوہ سلیمان کی چوٹی کے ایک دلکشا مقام پر دفن کیا گیا، (اکبر نامہ جلد سوم ص منتخب التواریخ جلد سوم ص ۵۵-۵۴، مآثر الامراء جلد دوم ص ۹۹، طبقات اکبری، جلد دوم ص ۵۷-۵۴، بزم تیموریہ ص ۹۲-۹۱)

(۸۱)

فیاضی خانخاناں بیرم خاں کا لڑکا خانخاناں عبدالرحیم خاں اکبر اور جہانگیر کے دور میں بہت ہی معزز منصبدار بن کر رہا، اپنی شجاعت اور فہم و فراست کے لحاظ سے بہت مشہور رہا، پھر اپنی سخاوت و بخشش میں حاتم زمانہ کہلاتا تھا، ایک بار ایک برہمن فقیر اس کے پاس پہنچا، اور اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ ہم اور آپ دونوں ہم زلف ہیں، پھر آپ ہمارے حال سے اس قدر غافل کیوں ہیں خانخاناں نے یہ سن کر اس کو اپنے پہلو میں بلا کر بٹھایا، اور اس کا حال پوچھا، اور جب رخصت کیا، تو اتنا نقد و جنس عطا کیا کہ اس کا افلاس جاتا رہا، خانخاناں کے مقربوں نے پوچھا کہ آخر اس برہمن ہندو سے ہم زلفی کا رشتہ کیسا ہو سکتا ہے، خانخاناں نے جواب دیا کہ سمپدا اور بپدا دو بہنیں ہیں، سمپدا سے مراد تونگری ہے، وہ تو میرے عقد میں ہے، اور بپدا سے مراد مفلسی ہے، وہ برہمن کے حبالہ میں ہے، (کلمات الشعراء از محمد افضل سرخوش، ص ۳۵)

(۸۲)

ادبی سرپرستی میں زرپاشی خانخاناں عبدالرحیم خاں فارسی اور ہندی دونوں میں طبع آزمائی کر کے ماہرین فن سے داد حاصل کیا کرتا تھا، وہ جس طرح فارسی کے اساتذہ کے مقابلہ میں غزلیں کہتا تھا، اسی طرح

ہندی شاعروں کے مقابلہ میں بھی طبع آزمائی کرتا تھا، وہ ہندی شاعری کی تاریخ میں زندۂ جاوید رہے گا، اس کے ہندی کلام کے مجموعوں میں دوہاولی، نگر شوبھا، بروے نائکہ بھید، بروے شرنگار، سورٹھا، پھٹکر پد اور رحیم کاویہ اب تک مشہور ہیں، اس کے دربار میں فارسی شعراء میں عرفی، نظیری، نوعی شیرازی، ثنائی خراسانی، کفوی بھوی جیسے بلند پایہ شعراء اس کی زرپاشیوں سے سیراب ہوتے رہے، اسی طرح ہندی شعراء کیشوداس، گنگ، ہری ناتھ، منڈن، پرشدھ، ہول راے، اور مکند وغیرہ بھی اس کے یہاں سے بڑے بڑے صلے پاتے رہے،

ایک دن اس کے دربار کے مشہور شاعر نظیری نے کہا کہ میں نے لاکھ روپے کا ڈھیر نہیں دیکھا ہے، یہ سن کر خانخاناں نے حکم دیا کہ خزانے سے روپیے لاکر ایک لاکھ کا ڈھیر لگایا جائے، جب یہ ڈھیر لگ گیا تو نظیری نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر دیکھ لیا، اس کے بعد خانخاناں نے حکم دیا کہ یہ تمام روپیے نظیری کو دیدیے جائیں، تاکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہے (مآثر الامراء جلد دوم ص ۸۰)

ایک اور شاعر ملا نوعی اس کی شان میں قصیدے اور ساقی نامہ لکھتے رہے، انہیں ایک بار تو دس ہزار روپیے، خلعت، ہاتھی، گھوڑے عطا کئے، اور دوسری بار اس کو سونے میں تلوا دیا، مآثر رحیمی میں ہے کہ اس نے جتنے انعامات فارسی کے شعراء کو دیے اتنے ہی ہندی شاعروں کو عطا کئے، (جلد دوم ص ۵۶) ایک بار اس نے ایک ہندی شاعر گنگ کوی کی کبتاؤں سے خوش ہوکر اس کو چھتیس ۳۶ لاکھ روپیے انعام میں دیے، (ہسٹری آف ہندی لٹریچر از ایف، اے، کی)

ایک یاد فروش (بھاٹ) نے خانخاناں کے حضور میں کچھ ہندی کبتائیں کہیں جن کا

مطلب یہ تھا کہ سرخاب کا ایک جوڑا تھا، وہ رات کو اس سے جدا ہو جایا کرتا تھا، ایک روز نر نے کہا کہ ہم دونوں کو رات جدا کر دیا کرتی تھی لیکن اب نہ رات آئیگی اور نہ ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوں گے، بلکہ دائمی وصل رہے گا، مادہ نے پوچھا کہ یہ کیسے؟ نر نے کہا کہ خانخاناں اپنے جود و بخشش سے اپنا سارا خزانہ ختم کر چکا ہے، اور اب کوہ سمیر پر ہاتھ ڈال کر اس کو غارت کر دے گا، کوہ سمیر سونے کا پہاڑ ہے، اور یہ تمام دنیا کو گھیرے ہوئے ہے، اسی کے پیچھے جا کر آفتاب غروب ہوتا ہے، اب جب خانخاناں یہ پہاڑ ختم کر دیگا تو آفتاب کس کے پیچھے غروب ہوگا، جب یہ غروب ہی نہ ہوگا تو رات نہ ہوگی، اور جب رات نہ ہوگی تو ہم دونوں میں جدائی نہ ہوگی، خانخاناں ان اشعار کو سن کر محظوظ ہوا اور بھاٹ سے پوچھا کہ تمھاری کیا عمر ہے، وہ بولا ۳۵ برس، پھر پوچھا کہ کتنا زندہ رہنا چاہتے ہو، بولا سو سال، خانخاناں نے کہا کہ اب تم ۶۵ برس اور زندہ رہنا چاہتے ہو، ۶۵ سال میں جتنے دن ہوتے ہیں، اس کے حساب سے پانچ روپیہ فی دن کی رقم تمکو دیدی جاتی ہے، تاکہ تم محتاج بن کر نہ رہو، (کلمات الشعرا ص ۳۶)

(۸۳)

بخشش عام | اکبر نے خانخاناں) مرزا عبد الرحیم کو سلطان مظفر گجراتی کے خلاف ایک مہم میں بھیجا تو فریقین کی مڈبھیڑ سرکچ میں ہوئی جو احمد آباد سے تین کوس کے فاصلے پر ہے، بڑی گھمسان لڑائی کے بعد مرزا عبد الرحیم کو فتح حاصل ہوئی، اسکی مردانگی اور شجاعت کے صلہ میں اکبر نے اس کو پنج ہزاری کا منصب اور خانخاناں کے خطاب سے سرفراز کیا، اس لڑائی کے موقع پر خانخاناں کو جو کچھ ہاتھ آیا، وہ سب اس نے لوگوں میں تقسیم کر دیا، آخر میں ایک شخص نے آکر کہا کہ مجھکو کچھ نہیں ملا، اس وقت

اس کے پاس صرف ایک قلمدان رہ گیا تھا، وہ اس کو دیدیا (مآثرالامرا جلد دوم ص ۶۹۵)

۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء میں احمد نگر کی مہم میں جب وہ آشتی کے مقام پر غنیم سے برسرِ پیکار ہوا تو اس دن اس کے پاس پچھتر لاکھ روپیے کی رقم اور جنس تھی، اس نے سب لٹا دیا، دو اونٹ کے سامان کے سوا، اس کے پاس کچھ نہ رہا (مآثرالامرا جلد دوم ص ۷۰۰)

ایک روز وہ حکم ناموں پر دستخط کر رہا تھا، اس نے غلطی سے کسی پیادے کے حکم نامہ پر ہزار تنکے کے بجائے ہزار روپئے پر دستخط کر دیئے، اس کی توجہ اس کی طرف دلائی گئی تو اس کی فیاضانہ سرشت نے گوارا نہیں کیا کہ اس کی تصحیح کرے، اس نے حکم نامہ کو برقرار رکھا، (مآثرالامرا جلد دوم ص ۷۰۸)

ایک مصور نے ایک تصویر بنائی جس میں یہ دکھایا کہ ایک عورت غسل کر رہی ہے، اس کی کنیز اس کے پاس بیٹھ کر اس کے تلوے کو جھانواں سے ملنا چاہتی تھی کہ اس نے پاؤں کھینچ لیا، خانخاناں عبدالرحیم خاں دربار جا رہا تھا کہ مصور نے اس کی سواری کے پاس پہونچ کر یہ تصویر گذرانی، خانخاناں نے اس پر ایک نظر ڈالی، اور پالکی کے سرہانے رکھ دی، جب وہ بادشاہ کے مجرے سے واپس ہو رہا تھا تو مصور پھر سامنے حاضر ہوا، اس نے حکم دیا کہ مصور کو پانچ ہزار روپیے دیئے جائیں، مصور اپنے کو اتنے بڑے انعام کا مستحق نہیں سمجھتا تھا، اس لئے بول اٹھا کہ یہ تصویر پانچ روپیے سے زیادہ کی نہیں ہے، لیکن اسکی کسی خاص صفت کی وجہ سے یہ بڑی رقم دی جا رہی ہے، تو پھر دے سکتا ہے، خانخاناں نے کہا کہ اس میں صفت یہ ہے کہ جھانواں ملتے وقت جو گدگدی ہوتی ہے، اس کی کیفیت عورت کے چہرے سے بہت اچھی طرح دکھائی گئی ہے، یہی اس تصویر کی بڑی صنعت ہے، یہ سن کر مصور خوشی میں پالکی کے گرد ناچنے لگا، (کلمات الشعراء ص ۱۲۳)

خانخاناں عبدالرحیم خاں ایک روز دسترخوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، اس کا ایک خدمت گار

مکھیاں ہانک رہا تھا کہ یکایک اس پر گریہ طاری ہوگیا، خانخاناں نے پوچھا کیوں آزردہ ہو، اس نے عرض کیا انقلابِ زمانہ پر روتا ہوں، یہ سن کر خانخاناں نے دریافت کیا تم کون ہو، کس کے لڑکے ہو، اس نے جواب دیا فلاں بن فلاں خان ہوں، خانخاناں نے اس کی صداقت کو جانچنے کے لئے کہا کہ اگر تم رئیس زادہ ہو تو بتاؤ کہ مرغ کے گوشت میں کون سی چیز سب سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے، اس نے فوراً جواب دیا "مرغ کی کھال"، خانخاناں نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کا ہاتھ دھلایا جائے، اور پھر اپنے برابر دسترخوان پر بٹھایا، اور پھر کچھ دنوں میں اس کو مالا مال کر دیا، کچھ دنوں کے بعد خانخاناں کا ایک اور نوکر دسترخوان پر کھڑا ہو کر اسی طرح رونے لگا، خانخاناں نے اس سے بھی اس کا حال پوچھا، اس نے بھی وہی ساری باتیں کہیں، خانخاناں نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ گائے کے گوشت میں کون سی چیز سب سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے، وہ احمق بول اٹھا گائے کی کھال، خانخاناں ہنس پڑا، لیکن اس نے اس احمق کو بھی اپنی عنایتوں سے محروم نہیں کیا۔

(کلمات الشعراء، ص ۳۷)

ایک درویش کو خانخاناں کی طرف سے مدد معاش میں ایک جاگیر ملی تھی، عامل کے حکم سے خانخاناں کے پاس محصول کی معافی کے لئے حاضر ہوا، خانخاناں نے اپنے منشی کو معافی لکھ دینے کا حکم دیا، اسی وقت خانخاناں کے یہاں ایک مجلس سرود منعقد ہوئی، تو درویش کو وجد و حال آگیا، وہ رقص کرنے لگا، چکر لگاتے ہوئے خانخاناں کے پاس آتا اور کہتا کہ آپ نے پروانہ لکھدیا، خانخاناں کہتے کہ لکھا جا رہا ہے، پھر رقص کرتا ہوا اس کے پاس آتا اور وہی بات

پوچھتا، کہ پروانہ لکھا گیا، اس پر مہر لگی؟ خانخاناں نے منشی سے پروانہ لکھوا کر اور اس پر مہر ڈال کر اس کے ہاتھ میں دیدیا، پھر تو وہ اس کو اپنے سر پر رکھ کر رقص کرنے لگا، جب مجلس ختم ہو گئی اور درویش چلا گیا تو خانخاناں کے مصاحب ہنسنے لگے اور کہا کہ یہ صوفی بھی خوب تھا، صوفی تو حال و وجد میں بے خبر اور مدہوش رہتے ہیں، خانخاناں نے کہا وہ تو بڑا کامل الحال تھا، اس کو پروانہ کا خطرہ لگا ہوا تھا، اس لئے وہ اپنے خاطر سے اس خطرہ کو رفع کرنا چاہتا تھا تاکہ پھر دل کی پوری فراغت کے ساتھ وجد میں مشغول رہے، (کلمات الشعراء ص ۲۸-۳۷)

ایک بھاٹ دیا و فروش سے کوئی تقصیر ہو گئی، تو جہانگیر نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا جائے، اس نے فریاد کی بادشاہ سلامت میں تو محض ایک ادنیٰ بھاٹ ہوں مجھ جیسے ضعیف اور حقیر کے لئے ہاتھی کا پاؤں نہیں چاہئے میرے تلے تو ٹیل یا گوریا یا کسی چڑیا کا پاؤں چاہئے، ہاتھی کے پاؤں کے لئے تو خانخاناں عبدالرحیم مناسب ہونگے جہانگیر یہ سنکر ہنسنے لگا اور اسکو معاف کر دیا، خانخاناں عبدالرحیم خاں نے یہ سنا تو اس نے بھی بھاٹ کی باتوں سے لطف لیا، اور اس کے پاس کئی ہزار روپے بھجوائے، (کلمات الشعراء، ص ۳۶)

(۸۴)

باہمی یگانگت راجہ مان سنگھ اور خانخاناں مرزا عبدالرحیم خاں میں بڑی موافقت تھی، ایک دن دونوں شطرنج کھیلنے بیٹھے، شرط یہ ہوئی کہ جو ہارے گا اس کو بلی کی بولی بولنا پڑیگا، خانخاناں بازی ہارنے لگا تو بلی کی بولی بولنے کے خیال سے اس نے وہاں سے ہٹ جانے کی کوشش کی، اور یکایک بول اٹھا کہ ذرا میں بادشاہی محل سے ہو آؤں،

راجہ مان سنگھ نے دامن پکڑ لیا اور کہا کہ بلی کی بولی بول کر جانا ہوگا، خانخاناں کہنے لگے، می آئیم، می آئیم، اس کو اس نے کچھ اس طرح ادا کیا کہ بلی بولنے کی شرط پوری ہو گئی، (کلمات الشعراء ص ۳۷)

(۸۵)

شجاعت و پامردی اکبری دور میں سنہ ۱۰۰۷ھ میں خانخاناں عبدالرحیم خاں نے نظام الملک اور قطب الملک کے خلاف لشکر کشی کی، تو آشٹی کے پاس ایک جنگ ہوئی، اس موقع پر خانخاناں عبدالرحیم نے حیرت انگیز بہادری کا ثبوت دیا، وہ رات رات بھر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر فوج کی نگرانی میں لگا رہتا، ایک موقع پر غنیم کے پچیس ہزار سوار خانخاناں کے پانچ ہزار سوار پر اچانک ٹوٹ پڑے، خانخاناں کے تمام ساتھیوں کی ہمت نے جواب دے دیا، ایک ساتھی دولت خاں لودی نے اس کو جنگ کرنے سے روکا اور کہا کہ اس انبوہ سے مقابلہ کرنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے، خانخاناں کی غیرت جوش میں آ گئی، وہ بولا کہ تم یہ کہہ کر دہلی کا نام برباد کرتے ہو، دولت خاں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ دشمن کو شکست ہوئی تو تو دہلی آباد ہو جائیگی لیکن اگر ہم لوگ ہلاک ہوئے تو پھر معاملہ خدا کے سپرد، یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کو آگے بڑھانا چاہا، سادات بارہہ کے بہادروں میں قاسم بارہہ نے یہ صورت حال دیکھی تو آگے بڑھا اور دولت خاں کو روک کر بولا "ہم ہندوستانی ہیں، لڑ کر مر جانا ہمارا شیوہ ہے،" دولت خاں جھلا کر خانخاناں سے پھر مخاطب ہوا کہ یہی سہی، دشمن کے انبوہ کے مقابلہ میں شکست لازمی ہے، لیکن یہ بتلایا کہ شکست کھا کے ہم لوگ تم سے کہاں ملیں، خانخاناں مردانگی اور بہادری کے پندار میں بولا "لاشوں کے ڈھیر کے نیچے"، یہ سن کر سارے لشکریوں میں ایک نئی غیرت اور ہمت پیدا ہو گئی، اور وہ سر بکف ہو کر اس طرح لڑے کہ دشمن کی کثرت تعداد تتر بتر ہو گئی، (مآثر الامراء، جلد اول

ص ۴۰۰ وہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام از خاکسار مرتب ص ۹۶-۹۵)

(۸۶)

عشق مجازی کا ایک نمونہ باز بہادر مالوہ کا حکمراں تھا، ابو الفضل نے آئین اکبری (ص ۴۸۳) میں لکھا ہے کہ گانے میں اس کی مثال نہ تھی، اس کے گانے کی طرز باز خانی کے نام سے مشہور ہوئی، ارباب نشاط کی بہت بڑی جماعت اس کے دربار سے وابستہ رہتی تھی، اسی میں ایک عورت روپ متی تھی، اس کے بارہ میں ابو الفضل نے اکبر نامہ (ج ۲ ص ۱۲۸) میں لکھا ہے کہ وہ اپنے حسن میں دنیا میں اپنی مثال تھی، مآثر الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے پنڈتوں نے عورتوں کی چار قسمیں بتائی ہیں، پہلی قسم کی عورت پدمنی کہلاتی ہے، جس میں عورتوں کی بہترین صفتیں ہوتی ہیں، روپ متی پدمنی ہی تھی، باز بہادر کو اس سے عشق تھا، جس کے قصے اب تک مشہور ہیں، اس نے اس کی محبت میں بہت سے ہندی اشعار کہے ہیں جن میں بڑی کیفیت ہے، اور جب ان کو وہ خود گاتا تو ان میں اور بھی سوز اور درد پیدا ہو جاتا، اکبر نے چھٹے سال جلوس میں باز بہادر کے خلاف ادھم خاں کوکہ کی سربراہی میں فوج کشی کی، تو باز بہادر کو شکست ہوئی اور جب وہ فرار ہونے لگا تو اس نے حکم دیا کہ اس کے حرم کی عورتیں تہ تیغ کر دی جائیں، تاکہ غنیم کے قبضہ میں نہ جائیں، لیکن روپ متی شاہی فوج کے قبضہ میں آگئی، ادھم خاں اس کے حسن کی شہرت سن چکا تھا، اس لئے اس کو اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا تھا، لیکن روپ متی باز بہادر کے عشق میں ایسی سرشار تھی کہ اس نے چپکے سے زہر ہلاہل کا ایک پیالہ پی لیا، اور ابدی نیند سو کر اپنے عاشق کی ناموس بچالی، باز بہادر اکبری دربار سے وابستہ ہو گیا، جہاں اس کو دو ہزاری منصب بھی ملا، مرنے کے بعد اس کو روپ متی ہی کے پہلو میں

دفن کیا گیا، دونوں اجین کے ایک تالاب کے بیچ میں مدفون ہیں (اکبرنامہ جلد دوم ص ۴۰۷، مآثر الامراء جلد اول ص ۳۸۶-۳۹۰)

(۸۷)

امارت کے جلوے حسین خاں اکبر کا ایک ممتاز منصبدار تھا، ترقی کرکے سہ ہزاری منصب تک پہونچا تھا کہ بسنت پور کوہستان کی ایک لڑائی میں زخمی ہوا، اور اسی زخم سے وفات پاگیا، ملا عبدالقادر بدایونی اس کے ساتھ نو سال رہے تھے، اس لئے وہ اپنی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ ہمت اور شجاعت میں اس کی کوئی مثال نہ تھی، وہ بڑی ثابت قدمی اور دلیری سے لڑتا، لڑائی کے موقع پر اس کی زبان پر "یا شہادت یا فتح" کا کلمہ ہوتا اس کے ہمراہی اس سے کہتے کہ دعا میں فتح کو مقدم رکھنا چاہئے، وہ جواب دیتا کہ مجھے زندہ لوگوں کے بہ نسبت گذرے ہوئے لوگوں کے دیدار کا زیادہ اشتیاق ہے،

ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ اپنی سپہگری کے باوجود بہت منکسر مزاج بھی تھا، چھوٹے بڑے ہر ایک کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا تھا، اس کی سخاوت اور دریادلی بھی مشہور تھی، سوداگروں سے چالیس پچاس عراقی اور ترکی گھوڑے ان کی بتائی ہوئی قیمتوں پر یہ کہہ کر خرید لیتا کہ تم جانو اور تمہارا خدا، پھر یہ سارے گھوڑے اپنے ساتھیوں کو دیدیتا، جن کو نہ ملتا، ان سے معذرت کرتا، اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ وہ کبھی مال جمع نہیں کریگا، جب اس کے سامنے سونا اور روپیے لائے جاتے تو ان کو دیکھ کر کہتا یہ تیر اور نیزے کی طرح اس کے پہلو میں چبھ رہے ہیں، جب تک ان کو تقسیم نہ کر دیتا، اسکو چین نہیں آتا، پرگنہ سے پندرہ[۱] بیس[۲] ہزار سے تیس[۳] چالیس[۴] ہزار روپیے وصول ہوتے، تو وہ ان کو فوج کے مصارف کے لئے دیدیتا، اس کے پاس صرف رسد کا حصہ رہجاتا،

شیخ الصیہ اس زمانہ کے ایک عالی مرتبہ بزرگ تھے، انھوں نے اس پر بیجا اخراجات اور آڑے وقتوں کے لئے سرمایہ نہ رکھنے پر اعتراض کیا، لیکن اس نے جواب دیا کہ اگر مال جمع کرنا سنت رسول ہے، تو سرتابی کی مجال نہیں رکھتا، مگر ایسا نہیں تو ہم دین کے رہبروں سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ ہم کو دنیا کی حرص و ہوس سے دور رکھنے کی تلقین کریں گے، اور اس جہان فانی کے مال و متاع کو حقیر اور بے مایہ سمجھنے کی نصیحت فرمائیں گے،

ملا عبدالقادر بدایونی ہی کا بیان ہے کہ وہ نہایت درست عقیدہ کا سنی تھا، وہ جس زمانہ میں لاہور میں تھا، تو اس کی غذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں صرف جو کی روٹی تھی، اس نے وہاں کی بہت سی مسجدوں اور مقبروں کی مرمت کرائی، اس کے جلو میں ہمیشہ سید اور اہل علم رہا کرتے تھے، ان کا بڑا احترام کرتا، اس سے نماز باجماعت اور تہجد کی نماز کبھی فوت نہیں ہوئی، اس کے طویلہ میں ایک سے زیادہ گھوڑا کبھی نہیں رہا، بعض اوقات اس کو بھی کسی مستحق کو دیدیتا، اور سفر میں ہوتا تو خود پیدل ہو جاتا، جنگ میں کوئی غلام اس کے ہاتھ آتا، تو فوراً آزاد کر دیتا، وہ خوشامد کو نہیں سکرات میں سمجھتا تھا، (منتخب التواریخ اردو ص ۳۲۸)

(۸۸)

امارت کے روشن پہلو شہباز خاں کنبوہ بھی اکبری دربار کا ایک ممتاز اور دیندار امیر تھا، اس کا نسب نامہ چھ واسطوں سے حاجی جمال سے ملتا ہے، جو حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کے حلقۂ بیعت میں داخل تھے، ایک روز ایک درویش حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا خدا کی محبت میں ہر پیغمبر کے نام پر مجھ کو ایک اشرفی دیدو، یہ سنکر حضرت بہاء الدین زکریاؒ متفکر

ہوئے ، حاجی جمال اس درویش کو اپنے گھر لے آئے اور جو پیش پیغمبروں کے نام لیتا رہا، اور وہ اشرفیاں دیتے رہے ، دس ہیں اشرفیاں دینے کے بعد حاجی جمال نے معذرت کی جب حضرت بہار الدین زکریا کو معلوم ہوا تو انھوں نے حاجی جمال کے لیے دعائیں کیں کہ ان میں عقل کی کمی نہ ہو، کہا جاتا ہے کہ اس دعا کی بدولت .... ہندوستان میں کنبوہ اپنی ذہانت کے لیے مشہور ہیں ...... شہباز خاں شروع سے زاہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کرنے کا عادی رہا، وہ اکبری دربار سے وابستہ ہوا تو ترقی کرکے دو ہزاری منصبدار ہوگیا، یہ منصب تو بہت بڑا نہ تھا، لیکن وہ اپنی غیر معمولی سخاوت کے لیے مشہور رہا، اس کے یہاں جتنے ملازمین تھے، ان میں سے دس آدمی ایسے تھے جن کو ایک ایک لاکھ روپیے سالانہ دیا کرتا تھا، وہ رہبتر کی جنگ میں لڑائی کرتا تھا تو اسکے ساتھ نو ہزار سوار تھے اس موقع پر وہ ہر جمعہ کی رات کو حضرت غوث الثقلین کے نام پر نو اشرفیوں کی شیرینی نیاز کرکے تقسیم کراتا، اس نے کنبوہوں کو اتنی دولت دی کہ اسکا کوئی فرد پریشان نہ رہا مشہور تھا کہ اسکو پارس کا پتھر مل گیا ہے جس سے حسب ضرورت سونا تیار کر لیا کرتا تھا، اس کا زہد و تقویٰ بھی مشہور تھا، شریعت کا بڑا پابند رہا، اکبر کے دربار سے وابستہ ہونے کے باوجود دین الٰہی کی طرف متوجہ نہ ہوا، کبھی داڑھی نہیں منڈوائی، اپنی انگوٹھی کے نگینہ پر لفظ مرید نہیں کھدوایا، تہجد و اشراق بھی پڑھا کرتا تھا، عمر کی سنتیں بھی اس سے قضا نہیں ہوئیں ، کسی وقت بے وضو نہیں رہتا، ہمیشہ تسبیح اس کے ہاتھ میں رہتی، وہ عصر اور مغرب کے درمیان کوئی بات نہیں کرتا، ایک روز اکبر فتحپور کے تالاب کی سیر کے لئے گیا، تو شہباز خاں کو بھی ساتھ لے گیا، اکبر اس کا ہاتھ پکڑ کر باتیں کرنے لگا، عصر کا وقت جا رہا تھا شہباز خاں بار بار سورج کو دیکھ رہا تھا، اس وقت حکیم ابو الفتح اور حکیم علی بھی ساتھ تھے

دونوں سرگوشی کرنے لگے کہ آج اس شخص کی نماز قضا ہوئی، تو ہم سمجھیں گے کہ واقعی دیندار ہے، نماز کا وقت تنگ ہونے لگا تو شہباز خاں نے اکبر سے اجازت چاہی، اکبر نے کہا قضا پڑھ لینا، کیا ہم کو تنہا چھوڑ دو گے، شہباز خاں کو اجازت نہیں ملی تو اس نے وہیں اپنا دوپٹہ بچھا کر نماز شروع کر دی، نماز کے بعد وظیفے میں مشغول ہوا، اکبر اس کے سر کو اپنے ہاتھ سے چھو کر کہتا کہ بس اب اٹھو، حکیم ابو الفتح نے اس خلل اندازی کو پسند نہیں کیا، اکبر کے پاس جا کر عرض کیا کہ اس لطف و کرم کے خواستگار دوسرے لوگ بھی ہیں، اس کے بعد اکبر اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا، شہباز خاں اپنی اس دینداری کی وجہ سے اکبری دربار میں زیادہ ترقی نہ کر سکا، لیکن اس کو ذاتی عروج سے زیادہ اپنی دینداری عزیز رہی، اس کی وفات اکبر کے چالیسویں سال جلوس میں ہوئی، اس کی وصیت تھی کہ اس کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار کے احاطہ میں دفن کیا جائے، مجاوروں نے اجازت نہیں دی، تو وہ باہر دفن کیا گیا، مگر رات کو ان مجاوروں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ تاکید کر رہے ہیں کہ وہ میرا محبوب ہے، اس کو احاطہ کے اندر ہی دفن کرو، دوسرے دن بڑے اہتمام کے ساتھ اس کی میت قبر سے نکالی گئی، اور احاطہ میں دفن کی گئی، (مآثر الامراء جلد دوم ص ۶۰۰-۵۹۹)

(۸۹)

ضیافت میں دریا دلی

شیخ ابو الفضل کھانے اور کھلانے دونوں کا شائق تھا، مشہور تھا کہ اس کے کھانے کا وزن بائیس سیر تک پہونچ جاتا، جس کھانے کو وہ دو بار کھا لیتا، اس کو دوسرے روز بھی پکوایا جاتا، کیونکہ وہ اس کو پسند ہوتا، اگر کوئی چیز بدمزہ ہوتی تو وہ اپنے لڑکے عبد الرحمٰن کو کھلاتا، خود کچھ نہ کہتا، عبد الرحمٰن باورچی کو جا کر تنبیہ کرتا، وہ دکن کی مہم پر بھیجا گیا، تو لشکر میں اس کے حکم سے روزانہ خاصے کے ایک ہزار خوان

تیار کئے جاتے، اور وہ تمام فوجی سرداروں کے پاس بھجوا دیئے جاتے، لشکر میں عام اعلان تھا کہ جس کو بھوک ہو وہ آکر کھائے، تمام وقت کھچڑی پکتی رہتی تھی،

ابو الفضل نے ایک بار اپنے یہاں خداوند خاں دکھنی کی دعوت کی، جو احمد نگر کے نظام شاہی امیروں میں سے تھا، لیکن بعد میں اکبر کے دربار سے وابستہ ہو گیا تھا، اس دعوت میں اور دوسرے معزز امرا بھی تھے، ابو الفضل نے اپنی عادت کے مطابق طرح طرح کے کھانے پکوائے، جب دسترخوان بچھا تو خداوند خاں دکھنی کے ہر نوکر کے سامنے کھانے کے نو قاب، بھنی ہوئی بکری کا ایک طشت اور تقریباً سو روٹیاں رکھی گئیں، خداوند خاں دکھنی کے سامنے مرغ، تیتر، ساگ اور سالن کی بہت سی چیزیں رکھی گئیں مگر وہ ناراض ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، اور بولا کہ میرے سامنے مرغ کا کباب صرف استہزاء کے لئے رکھا گیا ہے، اکبر کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے خداوند خاں دکھنی سے کہا کہ یہ تو ہندوستان کی دعوتوں کے تکلفات اور معمولات میں داخل ہیں، اگر محض کھلانا مقصد ہوتا تو ہر نوکر کے سامنے ایک بھنی بکری نہ رکھی جاتی، مگر خداوند خاں دکھنی اپنی کم فہمی سے اس دلیل سے مطمئن نہ ہوا،

(مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۲۰، جلد اول ص ۶۶۰)

(۹۰)

شاہانہ دعوت میں اسراف بیجا۔

اکبر کی ایک انا پیچہ جان تھی، جس کا شوہر خواجہ مقصود علی ہروی اکبر کی ماں حمیدہ بانو بیگم کے ملازموں میں سے تھا، اس کے لڑکے زین خاں کوکہ نے اکبری دور میں بڑا عروج حاصل کیا، وہ ترقی کر کے پنج ہزاری منصب پر فائز ہوا، اس کی ایک لڑکی کی شادی شہزادہ سلیم سے بھی ہوئی، جس کو خاص محل کا خطاب دیا، زین خاں کوکہ نے ایک بار اکبر کی دعوت کی، تو اپنے مکان کو اس طرح

سجایا کہ اس کو دیکھ کر لوگ متحیر تھے، ایک چبوترہ کو طوس کی شالوں سے آراستہ کیا، حالانکہ اس زمانہ میں طوس کی شالوں کا ملنا آسان نہ تھا، اس چبوترہ کے آگے پیچھے تین حوض بنوائے، ایک کو گلاب، یزدی، دوسرے کو رنگ زعفران اور تیسرے کو ابگجے سے بھروایا، اور ان میں ایکہزار سے زیادہ طوائفیں کھڑی کر دیں، شیر و شکر کی نہریں بہائیں، صحن میں آب پاشی کے بجائے گلاب پاشی کرائی، اکبر جب رخصت ہونے لگا تو ٹوکریوں میں بھر کر جواہرات اور مرصع ہتھیار پیش کئے، اور نذرانے میں ہاتھی گذرانے (مآثر الامراء جلد دوم ص ۳۶۹-۷۰)

(۹۱)

خوش طبعی اکبر کے ملک الشعراء شیخ فیضی کے یہاں ایک بار اس زمانہ کا مشہور شاعر عرفی شیرازی گیا، تو اس وقت فیضی ایک کتے کے پلے سے کھیل رہا تھا، عرفی نے پوچھا اس مخدوم زادہ کا کیا نام ہے، فیضی نے کہا عرفی، عرفی نے برجستہ کہا "مبارک باشد" فیضی تلملا کر رہ گیا، کیونکہ اسکے باپ کا نام مبارک تھا (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۲۰۴)

(۹۲)

سادات کی پہچان ہندوستان کے مغل بادشاہوں کی حکومت میں سادات بارہہ اپنی بہادری، جرات اور جانبازی کے لئے مشہور رہے، وہ شاہی فوج کی ریڑھ کی ہڈی سمجھے جاتے تھے، بارہہ سے مراد دریائے گنگا و جمنا کے درمیان پرگنہ سنبھل کے بارہ گاؤں مراد ہیں، سادات بارہہ میں سید محمود خاں بارہہ پہلا شخص تھا، جو شاہی دربار سے وابستہ ہو کر سرداری کے مرتبہ پر پہنچا، وہ مختلف مہموں میں بڑی پامردی اور شجاعت دکھاتا رہا، جب وہ یدھ کر بندیلہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا، تو وہاں بڑی کارگذاری دکھائی، اور فاتح واپس ہوا، اکبر کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے کارنامے بیان کر رہا تھا کہ اکبر کے ایک اور درباری

امیر نے اس سے کہا، میراں جی! یہ فتح تو حضرت (یعنی بادشاہ) کے اقبال سے ہوئی ہے، اکبر کے دربار میں ایک فوجی سردار اقبال نامی بھی تھا، سید محمود خاں نے سمجھا کہ یہ فتح اس کی طرف منسوب کی جارہی ہے، اس لئے جھلا کر بولا "کیوں غلط بیان کرتا ہے، اقبال وہاں نہ تھا، وہاں تو میں تھا، اور میرا بھائی تھا، ہم نے تیغ دو دستی چلائی تھی" یہ سن کر اکبر مسکرایا، اور اسکو انعامات دیئے۔

ایک روز کسی نے سید محمود خاں کو چھیڑتے ہوئے کہا کہ سادات بارہہ کا شجرہ کہاں تک پہنچتا ہے؟ اس وقت ملنگ فقیروں نے آگ روشن کر رکھی تھی، سید محمود خاں آگ کے ڈھیر میں جاکر کھڑا ہو گیا، آگ اس کے زانو تک پہونچی، اسی طرح کھڑا ہو کر بولا کہ اگر میں سید ہوں تو یہ آگ مجھ پر اثر نہیں کریگی، اور اگر سید نہیں ہوں، تو میں اس میں جل کر رہ جاؤں گا، وہ اسی طرح ایک گھنٹہ آگ میں کھڑا رہا، لوگ عاجزی منت کرکے اس کو باہر لائے۔ وہ مخملی جوتے اور جامہ پہنے ہوئے تھا، مگر اس کی کوئی چیز تک نہیں جلی (مآثر الامرا جلد دوم ص ۷۷ ،۳)

(۹۳)

درویشانہ جمال دور اکبری میں ایک بزرگ شیخ عزیز اللہ تھے، ان کے بڑے بھائی شیخ محمد حسن تھے، جو شیخ امان پانی پتی کے پیر تھے، انھوں نے اپنے بڑے بھائی ہی سے روحانی تربیت حاصل کی، رفتہ رفتہ خود بڑے صاحب دل ہو گئے، معرفت الٰہی اور عشق خداوندی کے مظہر تھے، دن رات گریہ و زاری کرتے رہتے، ان کے یہاں صبح و شام محفل سماع جمی رہتی تھی، اس وقت ان پر یہ کیفیت طاری رہتی کہ بقول ملا عبد القادر بدایونی ان کی نگاہ پتھر پر بھی پڑجاتی تو وہ پانی

ہو کر بہ جاتا، وحدت الوجود کے قائل تھے، اس کی حمایت میں ایک رسالہ عینیہ لکھا، عشق خداوندی میں سرشار رہنے کے باوجود خدمت خلق اللہ کا بڑا خیال رکھتے اگر وہ چلہ میں بیٹھے ہوتے اور کوئی ضرورت مند کسی کے پاس سفارش کے لئے جانے کو کہتا تو وہ حجرہ سے نکل آتے، اس کے ساتھ دور تک پیدل چلے جاتے اور پھر حجرہ میں آکر چلہ میں بیٹھ جاتے، گویا اس خدمت سے ان کا چلہ نہیں ٹوٹتا، وہ اپنی عبادت پر لوگوں کی حاجت روائی کو مقدم سمجھتے، اگر کوئی ظالم حاکم ایک بار ان کی سفارش کو قبول نہ کرتا تو اس کے پاس پھر جاتے یا وہ عمداً گھر سے ملاقات کے لئے نہ نکلتا تو تمام دن اس کے انتظار میں اس کے دروازہ پر بیٹھے رہتے، ان کے اس انکسار کو دیکھ کر حاکم حاجت مند کی حاجت پوری کر دینے پر مجبور ہو جاتا، ایک دن وہ شیخ نظام الدین اولیاء کے مزار پر مجلس سماع میں بیٹھے تھے کہ یکایک دیوانے نے چیخ ماری، اور ان کو اٹھا کر سر کے بل زمین پر ٹپک دیا ان کی دستار سر پر سے زمین پر گر گئی، لیکن ضبط و تحمل کر کے ناگواری کا اظہار نہیں کیا؛ دیوانہ کی اس گستاخی کو وجد حال پر محمول کیا، اس نے پھر یہی حرکت کرنے کی کوشش کی، تو حاکم وقت نے اس کو روک کر سزا دینی چاہی، مگر انھوں نے اس کو اپنی پناہ میں لے کر اس کو سزا سے بچا لیا، وہ ہمیشہ اپنے کو ذرہ ناچیز عبدالعزیز لکھا کرتے، اس لئے ان کی وفات کی تاریخ (۹۷۵ھ) ذرۂ ناچیز سے نکلتی ہے، "قطب طریقت نماند" بھی تاریخ وفات ہے، (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۱-۹)

(۹۴)

دل کے کرشمے | شیخ سلیم چشتی کا ذکر پہلے آچکا ہے، انھوں نے سلوک کی منزلیں طے کرنے میں بڑی ریاضت کی، سردی کے موسم میں بھی ایک باریک کرتا اور

ململ کی ایک چادر کے سوا کچھ اوڑھنا استعمال کرتے، ہر روز دو بار غسل کرتے، چلہ میں روزے رکھتے اور صرف آدھے تربوز بلکہ اس سے بھی کم پر گذر کر لیتے تھے، ایک روز شیخ امان پانی پتی ان سے ملنے آئے، تو پوچھا کہ سلوک و طریقت کا مقصود آپ کو استدلال کے ذریعہ ملا یا کشف کے ذریعہ، جواب دیا، ہمارے مسلک کا تعلق دل ہی سے وابستہ رہا

(منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۵-۲۰)

شیخ سلیم چشتی کے ایک مرید میاں عبد اللہ نیازی سرہندی تھے، آخر عمر میں شیخ سلیم چشتی کی خانقاہ میں برابر معتکف رہتے تھے، اکبر ان کی بزرگی کا بھی قائل رہا، ان کے سامنے برابر امام غزالی کی احیاء العلوم کھلی رہتی تھی، ایک بار ان کے ایک شناسا امیر سیف اللہ محمود خاں نے ان سے پوچھا دل کیا ہے، انھوں نے جواب دیا دل سے ہمارا فاصلہ ہزاروں منزلوں کا ہے، اس کے بارہ میں کیا پوچھتے ہو، اخلاق و عمل کی باتیں دریافت کرو (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۲-۱۱)

(۹۵)

درویشانہ کشف | اکبری دور کے ایک اور بزرگ شیخ نظام الدین المتوفی ۹۹۷ھ لکھنؤ کے پاس ایک قصبہ امیٹھی کے رہنے والے تھے، اس لئے شیخ نظام الدین امیٹھی وال کے نام سے مشہور تھے، شیخ معروف چشتی کے مرید تھے، سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد ہمیشہ اللہ کے بندوں کو اللہ سے لو لگائے رہتے، عبادات و معاملات میں ہمیشہ احیاء العلوم، عوارف، رسالہ مکیہ اور آداب المریدین جیسی کتابوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے شیخ الہدیہ کے لڑکے اور سجادہ نشین شیخ ابو الفتح کے ہاتھ میں ابن عربی کی فصوص الحکم دیکھی تو یہ کتاب چھین کر رکھ لی، اور ان کو کوئی دوسری کتاب دیکر کہا، اس کا مطالعہ کیا کرو، وہ لوگ

مرتبہ ایک طالب علم نے ان سے تبرکاً کافیہ پڑھنی چاہی، انھوں نے پڑھانے سے پرہیز کیا، جب اس کا اصرار بڑھا تو فرمایا کہ کوئی دینی کتاب پڑھو، اس نے کہا یہ بھی دینی کتاب ہے، اسی پر علم دین کا انحصار ہے، یہ سن کر جھلا کر فرمایا کہ اس کتاب پر دین کا انحصار کیسے ہو سکتا ہے، جس کے شروع میں مصنف نے خدائے عز و جل کی حمد ہی نہیں درج کی ہے۔

ان کو اپنے ملنے والوں کے دلوں کی باتوں کا بڑا کشف ہو جایا کرتا تھا، ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ ایک بار وہ سید اصغر بدایونی اور قاضی مبارک گوپا مئوی کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے پہلی ہی ملاقات میں ہر شخص سے ایسی بات کی جو اس کے حالات سے عین مطابقت رکھتی تھی، ان کی زبان پر ہمیشہ الحمد للہ، درود، سبحان اللہ، لا الٰہ الا اللہ، بسم اللہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، قرآن کی کوئی آیت یا کوئی حدیث یا کسی بزرگ کا قول رہتا تھا، سید اصغر سے مصافحہ کیا تو درود پڑھا، قاضی مبارک سے ملے تو سبحان اللہ کہا، اور جب ان کی یعنی ملا عبدالقادر بدایونی کی باری آئی تو بسم اللہ کہا، اسی طرح ہر ایک کے مطابق کوئی نہ کوئی کلمہ ارشاد فرمایا، اسی اثنا میں ایک طالب علم آگیا جو برے حال میں تھا، اس کو دیکھا تو انھوں نے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھا، اس کے بعد کل شئ ھالک الا وجھہ کی تفسیر بیان کرنے لگے کسی کو خوف اور رعب سے کوئی بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، مگر وہ طالب علم بول اٹھا اس آیت میں وجہ کی ضمیر کسی اور چیز کے لئے آئی ہے، یہ سن کر ان کا چہرہ تمتما گیا، اور فرمایا میں نے اس شیطان کو دیکھتے ہی تعوذ پڑھا تھا، آخر اس کی شیطنت ظاہر ہو گئی، اس طالب علم کے اعراض کے پیچھے جو بات چھپی تھی، اس سے وہ واقف ہو گئے تھے، اسی لئے بار بار لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہہ کر قصیدہ بردہ کا یہ شعر پڑھا

یا لائمی فی ھوی العذری معذرۃ

عشق و محبت میں ملامت کرنے والے! میرا عذر قبول کر، اگر انصاف سے کام لیتے تو مجھ کو ملامت نہ کرتے،

ان پر جلال طاری ہو گیا، اس لئے حکم دیا کہ اس طالب علم کو مجلس سے اٹھا دو، پھر اسکو اپنے پاس بلا کر نرمی سے باتیں کیں، اس واقعہ سے حاضرین کو بڑی عبرت حاصل ہوئی،

ملا عبد القادر بدایونی ہی کی روایت ہے کہ وہ بڑے فیاض تھے، امیر ہو یا فقیر ہر ایک کو کچھ نہ کچھ نقد یا نمک یا کوئی اور چیز ضرور دیتے، خود ملا عبد القادر بدایونی کو رخصت کرتے وقت ایک تنکہ دیا، وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ان سے ملنے اٹھی جا رہے تھے تو راستہ میں سپاہیوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ لیا تھا، اور اس کے کپڑے اتار لئے تھے، وہ صورت سے فقیر معلوم ہوتا تھا، لیکن چوری اور رہزنی کرتا تھا، کسی صورت سے رہا ہو کر وہ شیخ کی مجلس میں پہونچ کر بڑی عاجزی اور زاری سے سوال کرنے لگا، انھوں نے کچھ نہ دیا، ان کی فیاضی مشہور تھی، اس لئے حاضرین کو تعجب ہوا، لیکن انھوں نے یکایک فرمایا کہ اس چور کو دیکھو کہ راہزنی بھی کرتا ہے، اور گدائی بھی [illegible] وہ مجلس سے نکال دیا گیا، ملا عبد القادر بدایونی کا بیان ہے کہ انھوں نے غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے کہ جو راستہ میں پکڑا گیا تھا،

ملا عبد القادر بدایونی یہ بھی لکھتے ہیں کہ دوسری بار وہ ان کی خدمت میں حسین خاں حاکم لکھنؤ اور ایک اور ساتھی کے ساتھ حاضر ہوا، تو اس روز انھوں نے شام کو مسجد میں تصوف پر ایک تقریر کی، اور خواجہ حافظ کے چند شعر پڑھے، جب انھوں نے یہ شعر پڑھا،

صوفیاں در دے دو عید کنند　　عنکبوتاں مگس قدید کنند

تو ملا عبدالقادر بدایونی نے خالی الذہن ہو کر پوچھا مہ دو عید سے کیا مراد ہے یہ سوال ان کو پسند نہیں آیا، اور فرمایا "یہ بات بایزید اور جنید کے پوچھنے کی ہے، شبلی اور منصور کے پوچھنے کی ہے، تو کہاں اور یہ سوال کہاں" اس سلسلہ میں انھوں نے اور باتیں بتائیں، ملا صاحب کو پھر تو بڑی ندامت ہوئی، اور اداس ہو کر کسی اور مسجد میں جا بیٹھے جب مہمانوں کے لئے دستر خوان بچھا تو شیخ نے ملا صاحب کو پوچھا، ان کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی گستاخی کی ندامت میں کہیں اور چلے گئے تو اپنے سامنے سے کھانا اور حلوہ اٹھا کر ملا صاحب کے پاس بھجوایا، جس کے بعد ان کو تسکین ہوئی کہ ان کی تقصیر معاف ہو سکتی ہے، دوسرے دن عید تھی شیخ عید کی نماز کے بعد عوارف کا درس دینے لگے، اس موقع پر ملا صاحب کی تقصیر کی معافی کے لئے سفارش کی گئی تو انھوں نے سبق بند کر دیا، اور ملا صاحب کی طرف توجہ کی، ملا صاحب رونے لگے، اور ان کے قدموں پر سر رکھ دیا، شیخ نے ان کو اٹھا کر سینہ سے لگا لیا، اور کہا میرے دل میں کسی کی طرف سے عداوت یا کینہ نہیں رہتا ہے، میں کسی کو کچھ کہتا ہوں تو صرف نصیحت مراد ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو سخت بات کہہ دیتا ہوں تو اس کا نتیجہ اچھا ہی ہوتا ہے، پھر انھوں نے اپنے سر سے ٹوپی اتار کر ملا صاحب کو عنایت کی اور اپنے حجرے میں لیجا کر وضو کرایا دو رکعت نماز پڑھائی، ملا صاحب نے یہ دو رکعت عجیب کیفیت کے ساتھ پڑھی، اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میں طالبوں کو تلقین نہیں کرتا ہوں، ان کو کیا تلقین کروں، میری تلقین بس یہی ہے، کہ زبان ذاکر ہو، اور قلب شاکر،

(منتخب التواریخ جلد سوم ص ۲۳-۱۵)

اخبار الاخیار میں ہے کہ ان کا معمول تھا کہ وہ صبح صادق کے وقت مسجد میں آتے اور نماز پڑھتے، آپ کے لئے ایک خاص جانماز بچھا دی جاتی ایک روز حسب معمول مسجد آئے اور اپنی جانماز پر نہیں گئے، اور مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر کہا، آج ہم اس جگہ نماز پڑھیں گے شاید میری جانماز کے نیچے کوئی موذی جانور ہو، لوگوں نے جانماز الٹ کر دیکھی تو اس کے نیچے ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا، (اخبار الاخیار ص ۲۶۸)

(۹۶)

حضورِ قلب | شیخ محمد قلندر لکھنوی سلطان ابراہیم لودی کے لشکر میں ملازم تھے، دنیا سے دل برداشتہ ہوئے تو شیخ بہلول کے مرید ہو کر گوشہ نشین ہو گئے، لوگوں سے ملنا ملانا بالکل بند کر دیا، صرف دودھ پر گذارہ کرتے، اور کچھ نہیں کھاتے، ملا عبد القادر بدایونی کا بیان ہے کہ ایک روز وہ محمد حسین خاں حاکم لکھنؤ کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت ایک بلی شیخ کے پاس آکر درد بھری آواز سے چلانے لگی، شیخ نے فرمایا کہ بلی فریاد کر رہی ہے کہ تم لوگوں نے آکر اپنا وقت بھی ضائع کیا، اور صاحب خانہ کا بھی، اور حضور دل میں تفرقہ پیدا کیا، (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۲۶-۲۵)

(۹۷)

درویشانہ اخلاق | اکبری دور میں شیخ داؤد جہنی وال بھی بہت مشہور ہوئے جہنی لاہور کے مضافات میں ہے، بچپن میں اپنے بڑے بھائی سے کلام پاک کا درس لیتے تو رخساروں پر آنسو بہنے لگتے، جب کبھی لڑکوں کے ساتھ کھیلنے تو کہتے کہ مجھے ان لڑکوں کے چہرے نوچے ہوئے، بدن خون آلود، کھال ادھڑی ہوئی نظر آتی ہے، ان میں سے بعض کے سر نظر آتے ہیں، علوم رسمی پانے کے بعد

راہ سلوک میں بڑی ریاضتیں کیں، ان پر خاص جذبہ طاری رہتا، حضرت غوث الثقلین رض سے مراقبہ میں جو کچھ سوال کرتے، اس کا جواب پا جاتے، عالم جذب میں دیپال پور کے صحرا میں برہنہ پا گھومتے رہے، پھر شیخ حامد ولد شیخ عبد القادر ثانی کے ہاتھ پر آکر بیعت کی، اور جھنی میں آکر سہروردیہ چشتیہ اور قادریہ سلسلہ کے مطابق رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے، ایثار اور فیاضی کا بڑا بلند نمونہ پیش کیا، ان کے پاس ہدیے اور نذرانے میں بکثرت نقد و مال آتا، وہ جمع ہو جاتا تو سال میں ایک یا دو بار راہ خدا میں لٹا دیتے، ان کے اور ان کی اہلیہ کے پاس مٹی کے پیالے اور پرانے بورے کے سوا کچھ نہیں ہوتا، حضرت غوث اعظم کے یوم ولادت اور عرس کے موقع پر ان کی خانقاہ کے لنگر میں ایک لاکھ زائرین کھانا کھاتے، ملا عبد القادر بدایونی کا بیان ہے کہ وہ بھی ان کی خانقاہ میں چند دن مقیم رہے، اور انھوں نے خود دیکھا کہ روزانہ سو سو پچاس پچاس ہندو اپنے خاندان سمیت آکر ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتے، ملا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ مجھ کو تو اس جگہ کے در و دیوار، شجر و حجر تک تسبیح و ذکر کرتے ہوئے معلوم ہوتے تھے، وہ یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ وہ نصیحت آمیز باتیں کرتے تو لوگ سن کر بے اختیار رونے لگتے، اکبری دربار کے علماء سو کو نجاست پر بیٹھی ہوئی مکھیوں سے بدتر سمجھتے، اور یہ اشعار پڑھتے :

آنکس کہ زغو غانرہد و لے براد | بر خلق جہاں ول بدہد و لے براد
در دست فقیر نیست نقدے جز وقت | آں نیز گر زدست وہد و اے براد

ان کی وفات ۹۸۲ھ میں ہوئی (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۳۹، ۴۰ و تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد)

(۹۸)

محبت رسول اکبری دور ہی میں شیخ امان پانی پتی اپنے بہت سے درویشانہ اوصاف کی وجہ سے مشہور رہے، وہ شیخ محمد حسن کے مرید اور شیخ محمد مودود ولاری کے شاگرد تھے، قلندریہ مشرب سے تعلق رکھنے کے باوجود قادریہ سلسلہ پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے، ان کو توحید وجودی سے بڑا لگاؤ رہا، اسی لئے شیخ ابن عربی کے پیرو تھے، توحید کی باتیں بیان کرتے اور کہتے کہ آج اگر عدل وانصاف موجود ہوتا، تو عالم توحید کو علانیہ اس طرح واضح کرتا کہ جس میں کسی کو انکار کی کوئی گنجائش نہ رہتی، اسی کے ساتھ یہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ سے کامل محبت کی علامت یہ ہے کہ اسکی محبت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے، اور آپ کی محبت کی انتہا یہ ہے، کہ آپ کے اہل بیت کی محبت بھی دل میں سرایت ہو جائے، اسی لئے وہ اگر درس دیتے رہتے، اور اس گلی سے سید زادے بھی کھیلتے کودتے نکل آتے، تو ہاتھ سے کتاب رکھ دیتے، اور کھڑے ہو جاتے، جب تک سید زادے موجود رہتے، اپنی جگہ پر نہ بیٹھتے،

(۹۹)

تواضع انھوں نے اپنے لئے کوئی خانقاہ نہیں بنوائی، اپنی آسائش اور کھانے، پینے حتی کہ سونے کے لئے بھی کوئی چیز اپنے پاس نہیں رکھتے، زمین پر لیٹتے، تھوڑی سی غذا کھاتے لیکن ہر حال میں درویشوں سے حسن سلوک کرنے کی تلقین کرتے رہتے، ایک بار ایک دیوانہ ان کے پاس آیا، اور کہنے لگے کہ آسمان سے میرے پاس ایک ہزار گائیں آئی تھیں، جن کو چند مغل ہانک کر لے گئے، میرے، اتھ چل کر

میری گائیں ان سے دلوا دو، یہ سنکر حاضرین مجلس ہنسنے لگے، اور اس کا مذاق اڑانے لگے، لیکن شیخ امان پانی پتی نے ان کو منع کیا، اور فرمایا کہ ہر درویش کی خدمت کیا کرو اس کے بعد انھوں نے درویش کے لئے کھانا منگوایا، وہ کھاکر چلا گیا، اپنی گایوں کی واپسی کے لئے کچھ نہ کہا، وہ جا چکا تو شیخ امان پانی پتی نے اپنے دوستوں سے کہا مجذوبوں کو بہت سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں، ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، عالم لنود میں ہر طرح کی چیزیں موجود ہیں، کیا تعجب کہ اس مجذوب نے وہی سب کچھ دیکھا ہو جو اس نے بیان کیا،

(۱۰۰)

نماز میں بے خودی | شیخ امان پانی پتی نماز کے لئے کھڑے ہوتے، تو سورہ فاتحہ میں ایاک نعبد وایاک نستعین پوری طرح نہ پڑھ پاتے، اس کو بار بار دہراتے، یہاں تک کہ بے خود ہو کر گر جاتے، نماز پڑھتے وقت ان کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا، وہ ارکان نماز پوری طرح ادا نہ کر سکتے تھے،

(۱۰۱)

موت کی تیاری | وہ اپنی وفات سے کچھ دنوں پہلے دہلی تشریف لائے جہاں اکثر آیا کرتے تھے، اور جب واپس جانے لگے تو دوستوں سے فرمایا، اب انشاء اللہ دور کا سفر کرنا ہے ان کے ایک مخلص دوست شیخ زکریا اس وقت موجود تھے، انھوں نے کہا کہ آپ کے دوست بھی آپ کے ساتھ چلیں گے، جواب دیا، ظاہری سفر میں تو دوست ساتھ ہو سکتے ہیں، لیکن اب میرا سفر کہیں اور کا ہے، میں نے اپنے دوستوں کو خدا کے سپرد کیا، گھر واپس آئے تو اس کی ہر چیز کو دیکھا، اس پر الوداعی نظر ڈالی، پھر کلام پاک کو ل

کر دیکھا، اور فرمایا کہ اے کتاب! میں نے تجھ سے بہت کچھ استفادہ کیا، حجرہ اور اسکی ہر چیز کو الوداع کہا، اسی حالت میں ان کو بخار آگیا، فرمایا کہ بہت سا پانی خوب گرم کرو، اور نئے لوٹے لاؤ، تاکہ عمر بھر کے وسوسے زائل ہو جائیں، گیارہ ربیع الثانی کی تاریخ آئی تو کہا کہ غوث الثقلین سے پہلے قدم اٹھانا درست نہیں، اس تاریخ کو ان کا عرس کیا، کھانا پکوایا، سب کو تقسیم کیا، ۱۲ ربیع الثانی کو ان پر موت کے سکرات طاری ہوئے، اسی حالت میں فرمایا مشائخ طریقت کھڑے ہیں، توحید کا فتویٰ طلب کر رہے ہیں، اسی کے بعد کلمات توحید پڑھتے ہوئے مالک حقیقی سے جا ملے، تاریخ وفات ۱۲ ربیع الثانی ۹۹۱ھ ہے، انھوں نے اپنی کتاب اثبات الاحدیہ میں اللہ کے حاکم الاطلاق ہونے اور حقائق کائنات کو علم الیقین کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ جیسے معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لکھا، (اخبار الاخیار ص ۲۷-۲۲۶)

(۱۰۲)

درویشانہ انکسار اکبری دور کے ایک بزرگ شیخ اسحٰق کاکو لاہوری تھے، عالم بھی تھے، اور صوفی مشرب بھی، ہمیشہ اللہ کی یاد حق میں مشغول رہتے، جب تک ان سے کوئی بات نہ پوچھی جاتی، اس وقت تک کوئی بات نہ کرتے، ایک روز ایک نامعقول شخص نے ان کو راستے میں پکڑ لیا، اور شیر برنج کا ایک من کا دیگچہ ان کے سر پر رکھ کر بولا، اس کو لے چل اور میرے پیچھے آ، انھوں نے انکار نہیں کیا، دیگچہ کو سر پر اٹھا لیا، اور بازار ہوتے ہوئے اس کے مکان تک پہنچا دیا، اس نامعقول شخص کی ساری نفسانیت اسی کے بعد سے جاتی رہی، اس کا دل پاک صاف ہو گیا، اور وہ ایک ممتاز عالم بنا (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۵۲-۵۱)

(۱۰۳)

توبۃ النصوح شیخ اسحٰق کاکو لاہوری کے ایک مرید شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل تھے، جو شروع میں شریعت کے بہت پابند رہے، لیکن کچھ دنوں غلط راستہ پر پڑ گئے، ایک مطربہ کے عشق میں گرفتار ہو گئے اور اپنی سفید داڑھی کے باوجود بازار میں گھومنے لگے، نخاس میں کھڑے ہو کر درس دینے لگتے، ان کے پاس جو کچھ تھا، مطربہ کے پیچھے لٹا دیا، ایک رات وہ اس کے ساتھ بیٹھے شراب پی رہے تھے کہ شہر کے محتسب دیوار پر چڑھ کر ان کے پاس پہونچ گئے، ان کے ملاہی و مناہی کے سارے آلات توڑ دیئے، ان کی اصلاح کی خاطر ان کو سزا دینا چاہتے تھے، کہ انھوں نے وہی بات کہی، جو کسی نے خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہی تھی، انھوں نے کہا کہ میں نے تو ایک کام خلاف شرع کیا، مگر تم لوگوں نے تین نامشروع باتیں کیں، اس لئے تم مجھ سے زیادہ سزا کے مستحق ہو، تم نے میری برائی کا تجسس کیا، اجازت کے بغیر گھر آئے، اور دیوار پھاند کر داخل ہوئے، یہ سن کر وہ سب شرمندہ ہوئے، اسی کے بعد انھوں نے توبۃ النصوح کی، احیاء العلوم پڑھتے رہتے، اور اسی کو اپنا دستور العمل بنایا اور ہمیشہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، امام غزالی کی تصنیف جواہر القرآن پر ایک شرح بھی لکھی، ان کی اور بھی کتابیں ہیں، اکبر نے ان کی شہرت سن کر ایک مرتبہ اپنے خلوت میں بلا کر ان سے گفتگو کی، اور پوچھا آپ کس قوم کے ہیں، برجستہ جواب دیا کہ لکھنے والی کی قوم سے جس کو ہندی زبان میں کایت (کایستھ) کہتے ہیں، اکبر کو یہ جواب پسند آیا، اور دیر تک ان سے باتیں کرتا رہا، وہ نہایت فیاض بھی تھے، کوئی سائل ان کے دروازے سے واپس نہیں جاتا، وہ نہ تجارت کرتے، نہ زراعت، اور نہ ان کو مدد معاش کی خاطر کہیں سے کوئی

جاگیر ملی تھی، پھر بھی ان کی فیاضی اور سخاوت ایسی تھی کہ لوگ حیران رہتے، اسی سال کی عمر میں وفات پائی، ہزاروں آدمیوں نے عقیدت سے ان کے جنازے کو کاندھا دیا۔

(منتخب التواریخ جلد سوم ص ۳۰۵)

(۱۰۴)

مثالی درس و تدریس اکبری دور میں، میاں شیخ عبداللہ بدایونی بڑے مشہور مدرس گذرے ہیں، اپنے بچپن میں اپنے استاد سے بوستاں پڑھ رہے تھے سعدی کا ایک شعر آیا۔

محال است سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز در پے مصطفےٰ

تو انھوں نے اپنے استاد سے کہا کہ اس شعر کے معنی ہندی میں بتا دیجئے۔ استاد نے کہا کہ تم کو اس حکایت سے کیا کام ہے، انھوں نے کہا کہ جب تک آپ اس کا مطلب صاف نہ بتلائیں گے میں آگے نہیں پڑھونگا، استاد نے مطلب بتایا تو پھر پوچھا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کون تھے؟ استاد نے آپ کے حالات اور معجزات سنائے تو ان پر جذب طاری ہو گیا، گریبان پھاڑ ڈالا۔ اور کلمۂ طیبہ پڑھا۔ والدین دوڑے ہوئے آئے تو وہ ان کو اس کیفیت سے باز نہ رکھ سکے، ان کا آبائی وطن سامانہ تھا، وہاں سے مزید تعلیم کے لئے دہلی آئے، تعلیم پا کر بڑے جید عالم ہوئے، شیخ عبدالباقی چشتی بدایونی سے بیعت ہوئے، بڑی روحانی ریاضتیں کیں، بدایوں کے ایک دوسرے بزرگ میر سید بلال تھے، ان سے بھی ان کو بڑی عقیدت تھی، ان کی وفات کے بعد ان کے قائم مقام ہوئے، بدایوں میں رہ کر درس دیتے رہے، بڑے بڑے علماء انکے حلقۂ درس سے نکلے، وہ خود ہی پیدل جا کر بازار سے اپنی ضروریات کی چیزیں خرید کر لانے کے عادی تھے، زیادہ چیزیں ہوتیں تو خود ہی اپنے اوپر لاد کر لے آتے، ان کے شاگرد یہ خدمت بجا لانا چاہتے لیکن

وہ ان کو ایسا کرنے نہ دیتے، راستے میں بھی سبق پڑھاتے جاتے، ملا عبد القادر بدایونی نے بھی ان سے کلام اور اصول فقہ کی شرحیں پڑھی تھیں، ان کا بیان ہے کہ ان کی مجلس درس میں ذہین طلبہ بڑی دقیق اور مشکل بحثیں چھیڑ دیتے، لیکن وہ ان سب کے گھر سے بچے داخل کر دیتے، ان کو کبھی کسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہ ہوتی، سارے مسئلے ان کے سامنے واضح رہتے، جن کو حل کرنے میں ان کو بڑی مہارت تھی، اور تائید ایزدی بھی حاصل ہوتی، نوّے سال سے زیادہ عمر پائی، ان کے چہرہ سے خوف خدا ظاہر ہوتا، رشد و ہدایت کے لئے ان کو خلافت بھی ملی تھی، لیکن پیری مریدی سے پرہیز کرتے تھے، مجلس سماع میں شریک ہوتے، تو کبھی بڑا جذب طاری ہو جاتا، اسی کیفیت میں کھڑے ہو جاتے، اور چند قدم جھومتے ہوئے بڑھتے، لیکن رقص نہ کرتے، بلکہ اچانک لاحول پڑھ کر اپنی جگہ پر لوٹ کر کھڑے ہو جاتے، (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۵۰۔۵۵)

(۱۰۵)

<u>کیفیت سماع</u> | اکبری دور میں شیخ ادھن جون پوری بھی مشہور ہوئے، وہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ تھے، اور اپنے والد شیخ بہاء الدین ہی کے مرید اور خلیفہ تھے، ساری زندگی عبادت و ریاضت ۔۔۔ میں گذاری، بڑی لمبی عمر پائی، ان کے لڑکے ان کی زندگی ہی میں ستر ستر، اسّی اسّی برس کے ہو گئے تھے، آخر عمر میں بہت کمزور ہو گئے تھے، وضو کرنے اور دوسری ضرورتوں کے لئے خادموں کا سہارا لیتے، حتی کہ ان کے مدد کے بغیر اٹھ بھی نہیں سکتے تھے، لیکن اگر گانے کی آواز کان میں پڑ جاتی تو سماع کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے، اور جب ان پر وجد و حال طاری ہو جاتا تو کئی آدمی مل کر بھی ان کو مشکل سے سنبھال سکتے تھے، اسی طرح وہ سنت اور نفل

تو بیٹھ کر پڑھتے، لیکن فرض نماز ادا کرتے ہیں ان کو قوت آجاتی (منتخب التواریخ جلد سوم ص۱۲)

(۱۰۶)

مذہبی جرأت اکبری دور میں شیخ عارف حسینی کی کرامتیں بہت مشہور تھیں، صاحب کرامت ہونے کے ساتھ مذہبی معاملات میں سخت تھے، بڑی ریاضتیں کیں ہمیشہ جو کی جلی ہوئی روٹی اور کڑوی ترکاری سے افطار کرتے، شاہ اسمٰعیل صفوی کے پوتوں میں سے تھے، شریعت کی پابندی کا بڑا اہتمام رکھتے، جب اکبر اسلام سے منحرف ہوا، اور دربار میں اسلامی شعار ختم کر دیئے گئے، تو شیخ عارف حسینی ابو الفضل کے بیٹھنے کی جگہ کے سامنے دربار میں پانچوں وقت کی اذان دیتے، اکبر اور اس کے خوشامدی امرا سے بالکل نہیں ڈرتے، اکبر بھی ان کی مذہبی جرأت سے مرعوب رہتا، ایک بار وہ کشمیر سے کابل جا رہا تھا، تو ان کی ملاقات کا خواہاں ہوا، جب کبھی وہ اس کی ملاقات کو آتے تو ایک زریں پیالہ میں مشک کافور اور دوسری خوشبوئیات ڈال کر بطور تحفہ لاتے، اکبر نے اس ملاقات میں ان سے کہا "آپ ہم سے سونا یا کوئی جاگیر قبول فرمائیں، انھوں نے جواب دیا کہ آپ اپنے احدیوں کو روپے دیں کہ وہ بدحال ہیں، میں لیکر کیا کرونگا، ایک دن اکبر نے ان سے کہا شاہ! یا تو آپ ویسے ہو جائیں جیسے ہم ہیں یا ہم کو اپنے جیسا بنا لیں، شیخ نے جواب دیا کہ ہم تو بد نصیب ہیں، آپ کو اپنی طرح نہیں بنا سکتے، لیکن آپ میری طرح بننا چاہیں، تو میرے پہلو میں آکر بیٹھ جائیں" (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۶۱-۹)

(۱۰۷)

نیک نفس قاضی اکبری دور میں شیخ معین لاہور کے قاضی مقرر ہوئے

وہ معراج النبوۃ کے مصنف مولانا معین کے پوتے تھے، وہ ایک فرشتہ خصلت اور نیک نفس قاضی کی حیثیت سے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے، مشہور ہے کہ ان کے سامنے کوئی بھی مقدمہ پیش ہوتا تو اس کا فیصلہ خود سے نہ کرتے، اگر مدعی اقرار کرتا تو اس سے بڑی الحاح وزاری سے کہتے کہ خدا کے لئے تم اس میں صلح کر لو تاکہ میں خدا کے سامنے ماخوذ اور شرمندہ نہ ہوں، پھر مدعی اور مدعا علیہ دونوں سے کہتے کہ تم دونوں دانا ہو، میں نادان تم دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں، مجھ کو خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں شرمندہ نہ کرو۔ اگر کسی عورت کا شوہر مفقود الخبر ہوتا، اور وہ ان کے یہاں آکر علیحدگی کی خواہاں ہوتی تو وہ اس کو اپنے پاس سے خرچ دیتے، اور کہتے کہ ابھی اس کا انتظار کرو، علیحدگی اختیار نہ کرو، وہ اپنی آمدنی زیادہ تر کتابوں کی کتابت میں خرچ کر دیتے، اور عمدہ کتابت کرا کے طالبعلموں میں تقسیم کر دیتے، زندگی بھر انکا یہی مشغلہ رہا۔ (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۹۶)

(۱۰۸)

موت کی تیاری اکبری دور کے ایک بزرگ شیخ اسحٰق ملتانی تھے، جو ملتان سے آکر دہلی میں آباد ہو گئے تھے، ریاضت کی خاطر خوب سیاحت کی، ان کی وفات جمعہ کے دن ہوئی، اس روز اپنی اہلیہ سے کہا گھر میں کچھ ہو تو لے آؤ، اہلیہ نے جواب دیا کہ گھر میں کب کچھ رہا ہے، جو تمکو لاکر دوں، انھوں نے اصرار کر کے کہا کہ جو کچھ بھی ہو لاکر دو، اہلیہ نے تین سیر غلہ اور ایک پھٹی ہوئی چادر لاکر دی، تو ان کو فقیروں میں تقسیم کر دیا، پھر فرمایا کہ قوالی سننے کی خواہش ہوتی ہے، اہلیہ نے کہا تمہارے پاس کیا ہے جو قوالوں کو دو گے، جواب دیا "اپنی ٹوپی اور اوڑھنے والی چادر، ایک پڑوسی کے یہاں قوالی ہو رہی تھی، وہاں چلے گئے، خوب روئے، جب بے حال ہو گئے تو لوگوں نے ان کو گھر پہونچا دیا، تھوڑی دیر

سو گئے، اٹھے تو حجام کو بلوایا، حجامت بنوائی، غسل کیا، دوستوں سے ملے، ان کو الوداع کہا، کلام پاک کی تلاوت کی، پھر سو گئے، اور نیند ہی میں جان جان آفریں کے سپرد کی، (اخبار الاخیار اردو ص ۴۷۷)

(۱۰۹)

مصوری میں اعلیٰ مہارت

اکبری دور کا مشہور مصور خواجہ عبد الصمد شیرازی تھا، ہمایوں کے ساتھ ہندوستان آیا، پھر اکبر کے دربار سے منسلک رہا، جس میں اس نے بڑا اعتبار حاصل کیا، اس کو چہار صدی کا منصب بھی ملا، اس نے اپنی مصوری میں ایک مہارت یہ بھی دکھائی تھی کہ خشخاش کے ایک دانہ پر پوری سورہ اخلاص لکھ دی جو صاف پڑھی جا سکتی تھی، اس کی دوسری طرف کوئی مقولہ لکھ دیا تھا، اس نے چاول کے ایک دانہ پر چوگان کا کھیل بھی دکھایا، جس میں سات آدمی چوگان کھیل رہے تھے، اور دونوں سرے پر کھمبے نصب تھے، اس نے چاول کے ایک دوسرے دانہ پر یہ بھی دکھایا کہ ایک بڑا کمرہ ہے، جس میں دو آدمی ہیں، ایک طرف تالاب ہے، دوسری طرف چولھا ہے، ایک آدمی ایک پرندہ کا گوشت پکا رہا ہے، کمرہ کی پشت پر چار آدمی کھڑے اور دو آدمی بیٹھے ہیں، کمرے کے اندر اور باہر جانے کا راستہ بھی نظر آتا تھا، اس کے لڑکے شریف فارسی نے اپنا کمال دوسرے طریقے سے دکھایا، اس نے خشخاش کے ایک دانہ میں آٹھ باریک سوراخ کئے اور اس میں تار پرو دیئے، پھر اس نے چاول کے ایک دانہ پر ایک مسلح سوار کی تصویر بنائی، اس کے سامنے ایک جلودار تھا، اور اس میں تلوار، ڈھال اور چوگان بھی دکھائے گئے تھے، وہ صاحب دیوان شاعر بھی تھا، تخلص فارسی کرتا تھا۔ (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۳۱۰، مآثر الامراء جلد دوم ص ۶۲۵، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے از خاکسار مؤلف ص ۶۵-۵۶۴)

(۱۱۰)

دین اسلام پر اکبر کی موت اکبر نے جب دین الٰہی قائم کیا، تو اسلام سے منحرف ہوگیا، لیکن جہانگیر کا ایک بیان ہے کہ اس کی موت ایک کلمہ گو مسلمان کی حیثیت سے ہوئی، تزک جہانگیری کے دو مطبوعہ نسخے عام طور سے ملتے ہیں، ایک تو سرسید احمد خاں نے اڈٹ کیا، اور دوسرا نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا، ان دونوں میں جہانگیر کا کوئی ایسا بیان نہیں ملتا کہ اکبر ایک کلمہ گو مسلمان کی حیثیت سے مرا، لیکن میجر ڈیوڈ پرائس نے تزک جہانگیری کا جو انگریزی ترجمہ کیا ہے اس میں جہانگیر کی زبانی یہ بیان ہے،

"بدھ کی رات کو جب ایک گھڑی اور چار ساعت گذری تو میرے والد کی روح عالم بالا میں پرواز کر گئی، اس کے پہلے انھوں نے میران صدر جہاں کو بلوا بھیجنے کی خواہش مجھ سے ظاہر کی، تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر کلمۂ شہادت پڑھیں، ان کا خیال تھا کہ ابھی یہ کلمہ پڑھنے کا وقت نہیں آیا ہے، شاید زندگی دینے والا خدا کچھ اور مہلت دیدے، صدر جہاں آئے تو میں نے والد کے بستر کے پاس صدر جہاں کو دوزانوؤں سے جھکا دیا، اور وہ کلمہ پڑھنے لگے۔ میرے والد نے مجھکو اپنے پاس بلایا، اور میری گردن میں ہاتھ ڈال دیئے، اور نصیحتیں کرنے لگے........ وہ نصیحتیں کر چکے تو انھوں نے صدر جہاں سے پھر کلمہ پڑھنے کو کہا، اور خود انھوں نے بھی زور سے صاف آواز میں کلمہ پڑھا، پھر انھوں نے صدر جہاں سے اپنے تکیہ کے پاس سورہ — اور قرآن کی دوسری سورہ پڑھنے کو کہا،

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

تاکہ ان کی روح کو سکون ملے، اور تکلیف نہ ہو، صدر جہاں نے سورتیں پڑھیں، اور وہ اپنی دعا کے آخری الفاظ ختم کر رہے تھے، کہ ان کے یعنی والد بزرگوار کے گوشۂ چشم میں آنسو کے قطرے

تھے، اور اس طرح ان کی روح اپنے خالق سے جا ملی (ترجمہ آزاد ہے، ص ۱۳۴)

تزک جہانگیری کے مطبوعہ نسخوں میں یہ روایت نہیں ہے، ماثر الامرا کے مصنف نے تزک جہانگیری ہی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اکبر نے آخر وقت میں اپنی بد اعتقادی کو چھوڑ دیا تھا، اس کا بیان ہے کہ جہانگیر بادشاہ خود لکھتا ہے کہ چونکہ شیخ ابو الفضل نے میرے والد کو اس بات کا یقین دلا دیا تھا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بے انتہا فصیح تھے، اس لئے قرآن ان ہی کا کلام ہے۔ بس دکن سے آنے کے وقت میں نے نرسنگھ رائے سے کہا کہ اس کو قتل کر دے اس کے بعد میرے والد نے یہ الحاد چھوڑ دیا (ماثر الامراء جلد دوم ص ۶۲۰) تزک جہانگیری کے مطبوعہ نسخوں میں ابو الفضل کے قتل کا تو ذکر ہے، لیکن "اس کے بعد میرے والد نے یہ اعتقاد چھوڑ دیا" کا جملہ نہیں ہے، (تزک جہانگیری، نولکشور پریس ص ۱۱) لیکن اکبر کے تائب ہونے کی تائید عیسائی مبلغوں کے بیانات سے بھی ہوتی ہے، ایک عیسائی مبلغ جو تھلی بیجاپور کے سلطان عادل شاہ کے دربار میں پہونچا، تو سلطان نے اس سے پوچھا کیا یہ صحیح ہے کہ اکبر کی موت ایک مسیحی کی حیثیت سے ہوئی، پادری نے جواب دیا: "کاش ایسا ہی ہوتا، لیکن اس نے ہم لوگوں کو دھوکے میں رکھا، اس کی موت آپ ہی کے مذہب یعنی دین محمدی پر ہوئی!"

(۱۱۱)

رضاعی ماں کی محبت جہانگیر حضرت سلیم چشتی کی دعاؤں کی برکت سے پیدا ہوا، جب اس کی ماں جو راجہ بہارا مل کچھواہہ کی بیٹی اور راجہ بھگوان داس کی بہن تھی حمل سے رہی تو اکبر نے اس کو حضرت سلیم چشتی رح کے گھر بھیجدیا، جہاں اس کے لئے رنگ محل کے نام سے ایک عمارت بھی بنوا دی۔ سلیم پیدا ہوا تو حضرت سلیم چشتی کی لڑکی نے اسکو

دودھ پلایا، جہانگیر کا خود بیان ہے کہ وہ شروع سے ماں کے بجائے اپنی رضاعی ماں کی گود پلا، وہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا، اس کے دوسرے سال جلوس میں ان کا انتقال ہوا تو وہ اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ "ذی قعدہ کے مہینہ میں قطب الدین خاں کوکہ کی والدہ رحمت ایزدی میں پیوست ہوگئیں، انھوں نے مجھ کو دودھ پلایا تھا، اور میری والدہ کی جگہ پر تھیں، بلکہ ماں سے زیادہ مہربان رہیں، میں نے بچپن ہی سے ان کی گود میں پرورش پائی" میں اپنے کاندھے پر ان کا جنازہ اٹھا کر کچھ دور لے گیا، اور ان کی وفات سے کچھ ایسا رنج والم طاری ہوا، کہ کچھ روز تک نہ تو کھانے اور نہ لباس تبدیل کرنے کی خواہش ہوئی (تزک جہانگیری ص ۳۷) پھر اپنی رضاعی ماں کی محبت کا حق اس طرح ادا کیا کہ اپنے رضاعی بھائی قطب الدین کو اپنی حکومت کے زمانہ میں بہت سی عنایتوں سے نوازا اور پنجہزاری منصب دار بنا کر بنگالہ کا صوبہ دار بنایا، جہاں وہ مہرالنسار یعنی نورجہاں کے شوہر شیر افگن خاں سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا، (مآثر الامرار جلد سوم ص ۶۸-۶۶) حضرت سلیم چشتیؒ کے پوتوں میں شیخ علار الدین بھی تھے، جہانگیر نے ان کو بھی اپنی بہت سی عنایتوں سے سرفراز کیا، وہ ترقی کر کے ششش ہزاری منصبدار ہوئے، اسلام خاں کا خطاب پایا، اور صوبہ بنگال کے صوبہ دار ہوئے، (مآثر الامرار جلد اول ص ۱۱۹-۱۱۷)

(۱۱۲)

بزرگی کی قدردانی جہانگیر کو حضرت شیخ سلیم چشتیؒ سے بھی بڑی محبت رہی، وہ اپنی تزک میں لکھتا ہے، کہ جب میری والدہ کو حمل رہا اور وضع حمل کا وقت قریب آیا تو ان کو شیخ کے پاس بھیجا گیا، تاکہ میری ولادت وہیں ہو، میری ولادت کے بعد میرا نام سلطان سلیم رکھا گیا، لیکن میں نے اپنے والد کی زبان سے مستی یا ہوشیاری کے عالم میں محمد سلیم یا

سلطان سلیم کہتے نہیں سنا، وہ مجھ کو شیخو بابا کہا کرتے، میرے والد نے میری جائے ولادت سیکری کو مبارک سمجھ کر، اپنا پایہ تخت بنایا، اور چودہ پندرہ سال میں اس پہاڑ اور جنگل میں ایک ایسا شہر آباد کیا جہاں طرح طرح کے باغات اور دلکش عمارتیں بنوائیں (ص ۲۳) جہانگیر یہ بھی لکھتا ہے کہ ایک دن میرے والد نے کسی تقریب میں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ سے پوچھا آپ کی کیا عمر ہوگی، اور اب کب ملک بقا کو ارتحال فرمائیں گے، فرمایا کہ حق جل شانہٗ ہی خفیہ باتوں کا جاننے والا ہے، لیکن جب والد نے زیادہ اصرار کیا تو مجھ نیازمند کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ جب شہزادہ اتنا بڑا ہوگا کہ معلم یا کسی اور کی بتائی ہوئی چیزوں کو یاد کرکے دہرانے لگے تو سمجھنا کہ میرا وصال نزدیک ہے، میرے والد نے یہ سن کر تاکید کردی، کہ مجھ کو نثر و نظم کی کوئی تعلیم نہ دی جائے، اس طرح دو سال اور سات مہینے گذر گئے، محلہ میں ایک عورت رہا کرتی تھی، اس کی گذر بسر صدقہ خیرات سے ہو جایا کرتی تھی، اس کو اس بات کا علم نہ تھا، ایک دن اس نے مجھ کو تنہا پا کر یہ شعر یاد کرادیا:

الٰہی غنچۂ اُمید بکشا　　　گلے از روضۂ جاوید بنما

میں اس کو یاد کرکے شیخ کے پاس چلا گیا، اور ان کے سامنے پڑھا، اس کو سن کر وہ بے اختیار اچھل پڑے، والد کے پاس دوڑے آئے، یہ واقعہ بیان کیا، اتفاق سے اسی روز ان کو بخار آیا، دوسرے دن تان سین کلاونت کو بلا بھیجا، جو بے مثل گانے والا تھا، تان سین نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر گانا شروع کیا، پھر والد کو بلوایا، جب وہ تشریف لائے تو فرمایا کہ وعدۂ وصال قریب ہے، تم سے رخصت ہوتے ہیں، اس کے بعد اپنے سر سے دستار اتار کر میرے سر پر رکھدی، اور کہا سلطان سلیم کو اپنا جانشین بنایا، اس کو خدا کے سپرد کیا، وہی حفاظت اور مدد کرنے والا ہے، ضعف بڑھتا

جاتا تھا، اور وفات کے آثار ظاہر ہوتے جاتے تھے، یہاں تک کہ محبوب حقیقی سے جا ملے، (تزک جہانگیری ص ۶۲ - ۲۶۳)

جہانگیر ان کے محامد ذات اور صفات محاسن کا بے حد قائل رہا (ایضاً ۲۶۳) ان کے بارہ میں لکھتا ہے:

"درویشے صاحب حالت کہ طے بیاری از مراحل عمر نمودہ در کوہی متصل بموضع سیکری از موضع آگرہ استقامت داشت و مردم آں نواحے بہ شیخ اعتقاد تمام داشتند (ص ۲)"

وہ مرنے لے کر حضرت شیخ سلیم چشتی کی خانقاہ، مسجد اور روضہ کا ذکر کرتا ہے،

"حضرت عرش آشیانی (یعنی والد بزرگوار) کے عہد دولت اور زمانہ خلافت کے بہت بڑے آثار میں یہ مسجد اور روضہ ہے، بلا مبالغہ یہ بہت ہی عالی تمکین عمارت ہے، اس مسجد کی طرح کسی اور ملک میں کوئی مسجد نہیں، یہ خوبصورت پتھر کی بنی ہوئی ہے، اور اسکے لئے خزانہ عامرہ سے پانچ لاکھ روپے خرچ ہوئے، تب جا کر یہ مکمل ہوئی، قطب الدین خاں کوکلتاش نے روضہ کا مجر، گنبد کا فرش اور پیش طاق سنگ مرمر کے بنوائے، ان کے اخراجات علاوہ ہیں، مسجد کے دو بڑے دروازے ہیں، جو دکھن طرف ہے، وہ بہت بلند اور خوبصورت ہے، اس کا پیش طاق (محراب) بارہ گز درع، چوڑا، ۱۶ درع لمبا اور ۲۵ گز درع اونچا ہے، اوپر جانے جانے کے لئے ۳۲ زینے ہیں، پورب طرف کا دروازہ نسبتاً چھوٹا ہے، پورب سے پچھم تک دیواروں کی چوڑائی ملا کر مسجد کی لمبائی ۲۱۲ درع ہے، اس میں سے مقصورہ ۲۵½ درع ہے، جو بیچ میں ۲۵×۲۵ درع ہے، پیش طاق سات درع چوڑا، ۱۴ درع لمبا اور ۲۵ درع بلند ہے، بیچ میں گنبد ہے، اس کے دونوں طرف چھوٹے گنبد ۱۰×۱۰ درع کے ہیں، اس کے ساتھ ستون دار ایوان ہیں اترے

دکھن کی طرف مسجد کی چوڑائی ۱۷۲ گز ہے، اس کے چاروں طرف نوّے ایوان اور چوراسی حجرے ہیں، ہر حجرہ کی چوڑائی چار ورع اور لمبائی پانچ ورع ہے، ہر ایوان ۱۲ ورع چوڑا ہے، مقصورہ، ایوان اور پھاٹک چھوڑ کر مسجد کا صحن ۳۶۹ ورع لمبا اور ۳۴۳ ورع چوڑا ہے، ایوان دروازے اور مسجد کے چھوٹے چھوٹے گنبد بنے ہوئے ہیں، عرس اور دوسرے متبرک دنوں میں ان میں شمعیں جلائی جاتی ہیں، اور .... رنگین کپڑے لپیٹ دیئے جاتے ہیں، جس کے بعد وہ فانوس کی طرح نظر آتے ہیں، مسجد کے صحن کے پیچھے ایک برکہ (شاید باولی) بنائی گئی ہے، برسات میں اس میں پانی جمع کر لیا جاتا ہے، فتحپور میں پانی کم اور خراب ہوتا ہے، اس لئے اس کنوئیں کا پانی حضرت سلیم چشتیؒ کے خاندان کے لوگوں اور وہاں کے درویشوں اور مجاوروں کے لئے سال بھر کافی ہوتا ہے، بڑے دروازے کے مقابل شمال مشرق کی طرف شیخ کا روضہ ہے، اس کے بیچ کا گنبد سات ورع کا ہے گنبد کے چاروں طرف سنگ مرمر کا ایوان ہے، اس کے آگے سنگ مرمر ہی کی جھنجری ہے، جو بہت خوبصورت ہے، اس روضہ کے مقابل پچھم کی طرف تھوڑی دور پر ایک دوسرا گنبد ہے، جس کے نیچے شیخ کے لڑکے اور دوسرے اعزہ مثلاً قطب الدین خاں، اسلام خاں، معظم خاں وغیرہ آسودۂ خواب ہیں، یہ سب کے سب بڑے امارت کے بلند رتبہ پر پہونچے، .... اس وقت اسلام خاں کے لڑکے جو اکرام خاں کے خطاب سے سرفراز کئے گئے ہیں، اس کے سجادہ نشین ہیں، ان سے سعادت مندی کے آثار ظاہر ہیں، اور میں ان کی تربیت کی طرف بہت مائل ہوں، (ص ۲۶۴)

(۱۱۳)

علماء کی نااتفاقی پر اظہار افسوس | جہانگیر تخت نشین ہوا، تو حضرت شیخ سرہندیؒ

کو جو مجدد الف ثانیؒ کے خطاب سے مشہور ہیں، یہ خیال پیدا ہوا کہ اکبر کے دین الٰہی کی وجہ سے اس کی حکومت کے زمانہ میں اسلام کی عزت و وقار کو جو نقصان پہونچا ہے، اس کی تلافی جہانگیر کے ابتدائی دور حکومت میں ضرور ہو جانی چاہئے، اس لئے انھوں نے جہانگیر کے دربار کے ایک امیر لالہ بیگ کو لکھا کہ بادشاہت کے شروع ہی میں اگر مسلمانی کا رواج ہو گیا، اور مسلمانوں نے اعتماد پیدا کر لیا تو فبہا، اور اگر عیاذاً باللہ سبحانہ توقف ہوا تو پھر مسلمانوں کے لئے بہت مشکل دقت آجائیگا، الغیاث الغیاث، پھر ایک اور امیر خانجہاں کو لکھا کہ اگر وہ شریعت محمدی کی ترویج اور اشاعت کا کام لیں تو وہ انبیا کی خدمت کر کے دین متین کو منور اور معمور کر دیں گے، انھوں نے صدر جہاں کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ اب جب کہ سلطنتوں میں انقلاب ہو گیا ہے، دشمنی اور فساد نے اہل مذہب کو بگاڑ دیا ہے، اسلام کے پیشواؤں، یعنی بڑے بڑے وزیروں، امیروں اور عالموں پر لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو شریعت کی ترقی میں لگائیں، اور سب سے اول اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قائم کریں، کیونکہ تاخیر میں خیریت نہیں، اس تاخیر سے غریبوں کے دل بے قرار ہیں، گذشتہ زمانہ کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں برقرار ہیں، ایسا نہ ہو کہ تدارک نہ ہو سکے، اور اسلام کی غربت اس سے زیادہ ہو جائے، جب بادشاہ سنت سنیۂ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترقی میں سرگرم نہ ہو، اور بادشاہ کے مقربین بھی اس بارہ میں اپنے کو الگ رکھیں، اور چند روزہ زندگانی کو عزیز سمجھیں، تو پھر اہل اسلام بیچاروں سے زمانہ بہت ہی تنگ ہو جائیگا، (مکتوب ۱۹۵ جلد اول نیز دیکھو اردو ترجمہ) پھر شیخ فرید مرتضیٰ خاں بخاری کو بھی توجہ دلائی کہ اسلام تنہا اور بے یار و مددگار ہو رہا ہے،

اس کی طرف توجہ کریں۔ شیخ فرید کو جہانگیر کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا، کیونکہ اس نے اکبر کے آخری زمانہ میں سلیم کو اس سے قریب کیا تھا، اور پھر اکبر کی وفات کے بعد سلیم کی حمایت میں اس کے لڑکے خسرو سے لڑکر پنجاب میں بیاس کے کنارے اس کو شکست دی، جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد شیخ فرید نے اور امراء کے ساتھ جہانگیر کو آمادہ کیا کہ وہ اسلامی شریعت کا لحاظ رکھے، اس نے شیخ فرید کو حکم دیا کہ وہ چار دیندار علماء منتخب کرے، جن کے مشورے سے سارا کام انجام پائے کہ کوئی بات خلافِ شریعت نہ ہو، حضرت مجدد الف ثانی کو یہ خبر ملی، تو وہ خوش ہوئے، لیکن شیخ فرید کو یہ مکتوب لکھا:

"حق تعالیٰ آپ کو بزرگ باپ دادوں کے رستہ پر ثابت قدم رکھے، سنا گیا ہے کہ بادشاہ اسلام نے مسلمانی کی نیک نیت سے جو اپنی ذات میں رکھتے ہیں، آپ کو فرمایا ہے کہ چار۔۔۔ علمائے دیندار پیدا کریں تاکہ دربار میں ملازم رہیں اور مسائلِ شرعیہ کو بیان کرتے رہیں تاکہ خلافِ شرع کوئی امر صادر نہ ہو،

الحمد للہ! مسلمانوں کو اس سے بڑھ کر کون سی بشارت ہوگی اور ماتم زدوں کو اس سے بڑھ کر کیا خوشخبری ہوگی، یہ حقیر بھی اسی غرض کے لئے آپ کی خدمت عالی کی طرف متوجہ ہے، کئی دفعہ اس کے لئے اظہار کر چکا ہے، اس لئے اس بارہ میں کہنے اور لکھنے سے اپنے آپ کو معاف نہیں رکھ سکے گا، امید ہے کہ آپ معذور فرمائیں گے، صاحب الغرض مجنون، غرض والا تو دیوانہ ہوتا ہے، عرض کرنا یہ ہے کہ ایسے دیندار علماء بہت تھوڑے ہیں جو حبِ جاہ و ریاست سے خالی ہوں، اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تائید کے سوا اور کچھ مطلب نہ رکھتے ہوں، حبِ جاہ ہونے کی صورت میں ہر ایک عالم اپنی طرف کھینچے گا، اور اپنی بزرگی کو ظاہر کرنا چاہے گا، اور اختلافی باتیں درمیان

میں لاکر ان کو بادشاہ کے قرب کا وسیلہ بنائے گا، ناچار معاملہ بگڑ جائیگا۔ گذشتہ زمانہ میں ایسے علماء کے اختلافات نے عالم کو بلا میں ڈال دیا، اور اب وہی صورت درپیش ہے، اسکے بعد ترویج کیا ہوگی بلکہ دین کی تخریب ہوجائیگی، اللہ تعالیٰ برے علماء کے فتنہ سے بچائے، الغرض اس غرض کے لئے ایک ہی عالم مل جائے تو اس کا انتخاب کریں، اگر علماء آخرت میں سے کوئی مل جائے، تو نہایت ہی سعادت ہے، کیونکہ اس کی صحبت پھر کبریت احمر ہوگی اگر کوئی ایسا نہ ملے، تو صحیح غور و فکر کے بعد جس کو بہتر سمجھیں اختیار کریں، اما یدرک کلہ لا یترک کلہ (جو چیز مکمل اخذ نہ کی جاسکے، وہ چھوڑی نہیں جاسکتی) میں نہیں جانتا کہ کیا لکھوں، جس طرح مخلوق کی خلاصی علماء کے وجود سے ہے، اسی طرح دنیا کا خسارہ بھی ان ہی پر منحصر ہے، بہترین علماء بہترین خلائق ہیں، بدترین علماء بدترین خلائق ہیں، ہدایت اور گمراہی دونوں ان ہی سے وابستہ ہے، کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ اور بیکار بیٹھا ہے، اس کا سبب پوچھا، اس نے جواب دیا کہ اس وقت کے علماء میرا کام کر رہے ہیں، بہکانے اور گمراہ کرنے میں وہی کافی ہیں،

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند　　　　او خویشتن گم است کرا رہبری کند

امید ہے کہ اس بارہ میں صحیح فکر اور کامل غور سے کام لیں گے، کیونکہ جب کام ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر کچھ علاج نہیں ہوسکتا ہے، اگر اس قسم کی باتیں داناؤں سے اظہار کرنے میں شرم آتی ہے، لیکن اسی مطلب کو اپنی سعادت کا وسیلہ بنا کر آپ کو تکلیف دینا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد اول نمبر ۵۳ اردو ترجمہ ص ۱۲۵ - ۱۲۶)

ایک دوسرے مکتوب میں صدر جہاں کو تحریر فرماتے ہیں،

حق تعالیٰ آپ کو سلامت و عافیت سے رکھے، احکام شرعیہ کے جاری ہونے اور

مذہب مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کی خواری کی باتیں سن کر تمام زد مسلمانوں کے دل کو خوشی اور روح کو تازگی حاصل ہوئی، اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے، اور اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ اپنے نبی بشیر و نذیر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں اس بڑے کام میں زیادتی بخشے مجھے یقین ہے کہ اسلام کے متقدا یعنی سادات عظام اور علمائے کرام خلوت و جلوت میں اس دین متین کی زیادتی اور اس صراط مستقیم کی تکمیل کے درپے ہوں گے، یہ فقیر بے سروسامان اس بارہ میں کیا دم مارے اب سنا گیا ہے کہ بادشاہ اسلام اسلامی استعداد کی خوبی سے علماء کا خواہاں ہے، الحمد للہ علیٰ ذالک،

آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں خوف پیدا ہوا تھا، و علمائے سوء کی کم بختی سے ظہور میں آیا تھا، اس بارہ میں امید ہے کہ پورا پورا تتبع مد نظر رکھ کر علمائے دیندار کے انتخاب کرنے میں پیش دستی کریں گے، علمائے سو دین کے چور ہیں، ان کا مقصود ہمہ تن یہ ہے خلق خدا کے نزدیک مرتبہ، ریاست اور بزرگی حاصل ہو جائے العیاذ باللہ من فتنتھم، اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے، ہاں ان میں جو بہتر ہیں، وہ سب خلقت سے اچھے ہیں، کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو فی سبیل اللہ شہیدوں کے خون کے ساتھ تولیں گے، اور ان کی سیاہی کا پلہ بھاری ہو جائیگا، سب لوگوں میں سے برے برے علماء ہیں، اور سب لوگوں میں سے اچھے اچھے علماء ہیں، (مکتوبات امام ربانی جلد اول، مکتوب ۴۷، ص ۴۹، نیز دیکھو اردو ترجمہ ص ۳۲۲-۳۲۱)

(۱۱۴)

نیکیوں سے بھری ہوئی امارت | شیخ فرید مرتضیٰ خاں بخاری اکبر اور جہانگیر کا بہت ممتاز

منصبدار تھا، موسوی سادات میں سے تھا، کم سنی میں اکبر بادشاہ کی ملازمت میں داخل ہوا، اور ترقی کر کے بخشی گری کے عہدہ پر پہونچ گیا، جہانگیر کی جانشینی میں اس نے نمایاں حصہ لیا، اکبر بادشاہ کے مرض الموت میں شہزادہ سلیم کی جانشینی کی نگہداشت کی، ......

......اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر کی حمایت میں اس کے لڑکے خسرو سے بیاس دریا کے کنارے پر لڑا اور فتحیاب ہوا، جہانگیر نے اس کی خدمات کے صلہ میں اس کو پہلے گجرات کا صوبہ دار بنایا، پھر مرتضیٰ خاں کا خطاب دیا، پانچویں سال جلوس میں وہ پنجاب کا صوبہ دار مقرر ہوا، ۱۰۲۵ھ (مطابق ۱۶۱۶ء) یعنی جہانگیر کے گیارہویں سال جلوس میں قصبہ پٹھان میں وفات پائی، لاش دہلی لائی گئی، اور وہیں ؟ . . . مقبرے میں مدفون ہے،

مآثر الامراء کے مصنف کا بیان ہے کہ وہ ظاہر و باطن... ہر لحاظ سے اچھا تھا اپنی سخاوت کے لئے مشہور تھا، جو کوئی اس کے پاس پہونچ جاتا، خالی ہاتھ واپس نہ آتا، جب وہ دربار جاتا تو راستے میں درویشوں کو قبا، کمل، چادر تقسیم کرتا جاتا، اس کے پاس اشرفیوں اور روپیوں کی ریزگاریاں ہوتیں، وہ اپنے ہاتھوں سے سب کو دیتا ہوا آگے بڑھتا، ایک روز ایک فقیر نے سات بار اس سے رقم لی، جب یہ فقیر آٹھویں بار لینے کو بڑھا تو اس نے آہستہ سے کہا کہ تو نے سات بار جو کچھ لیا ہے، اس کو پوشیدہ رکھنا ورنہ اور فقیر تجھ سے چھین لیں گے، خانقاہ نشینوں، توکل سے زندگی بسر کرنے والوں، محتاجوں اور بیواؤں کے لئے یومیہ اور سالانہ رقمیں مقرر کر رکھی تھیں، ان کے یہاں سند اور پروانہ کی رقمیں پہنچ جایا کرتی تھیں، اس کے یہاں کے ملازم مرجاتے، تو وہ ان کے بچوں کے لئے بھی ان کی حیثیت کے مطابق ماہانہ مقرر کر دیتا، اور ان کے بچے اس کے پہلو میں اسکے بچوں ہی کی طرح کھیلتے، ان کی تربیت کے لئے معلم بھی مقرر کر دیتا، وہ جب گجرات

میں تھا، تو سادات کی فہرست اس کے پاس رہتی، وہ ان کے لڑکوں کی شادی بیاہ کے
اخراجات خود برداشت کرتا، ان کی عورتیں حاملہ ہو جاتیں تو پیدا ہونے والے بچوں
کے لئے بھی رقمیں مقرر ہو جاتیں، جس سے ان کی شادی بھی ہو جاتی، اس کو بادفروشوں
یعنی بھانڈوں اور کلاونتوں یعنی گانے والوں سے کوئی رغبت نہ تھی، اس لئے ان کو
کچھ نہ دیتا، احمد آباد میں بخارا نام کا محلہ اسی نے آباد کیا، وہاں شاہ وجیہ الدین کا روضہ
اور اس کی مسجد اسی نے بنوائی، دہلی کے پاس فرید آباد اسی کا بسایا ہوا ہے، یہاں
اس نے بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں، اور تالاب کھدوائے، لاہور میں بھی اس نے ایک
محلہ آباد کر کے حمام اور چوک بنوائے، اس نے مختلف جگہوں پر مسافر خانے اور سرائیں
تعمیر کرائیں، اس کے ساتھ جو بھی شاہی ملازمین رہتے، ان کو سال میں تین بار بیش قیمت
خلعت دیا کرتا تھا، وہ اپنے نوکروں کو بھی سال میں ایک بار خلعت دیتا، پیادوں کو کمل اور
حلال خوروں کو ایک جوڑا جوتا دیا کرتا، جب تک زندہ رہا، اس وضعداری کو نباہتا رہا،
اس کے دوستوں کے پاس جاگیریں بھی ہوتیں تب بھی ان کے پاس سالانہ رقمیں بھیجا
کرتا تھا، جو ایک لاکھ تک ہوتیں، تین ہزار سوار اس کے یہاں برابر موجود رہتے،
گجرات کی صوبہ داری کے زمانہ میں اس کے پاس ایک افغانی شیر خاں نوکر تھا، وہ
وہاں سے اپنے وطن گیا تو پانچ سال تک نہیں لوٹا، شیخ فرید جب کانگڑہ کی مہم پر بھیجا
گیا تو شیر خاں اس کے پاس کلانور میں حاضر ہو کر پھر ملازم ہو گیا، فرید نے اپنے بخشی
دوارکاداس سے کہا کہ اس کو خرچ دیدو، تاکہ وہ اپنے گھر والوں کو دے کر پھر یہاں
آجائے، دوارکاداس نے خرچ کی تفصیل لکھ کر تاریخ کی جگہ چھوڑ دی، اور اس کو فرید
کے ہاتھ میں جا کر دیا، وہ پڑھ کر برہم ہوا، کہ یہ تو ہمارا پرانا نوکر ہے، اگر وہ کسی وجہ سے

دیر کرکے میرے پاس آیا، تو میرا کون سا کام بگڑ گیا، جب سے اس کی تنخواہ واجب لادا تھی، اس کا حساب لگانے کو حکم دیا، ساٹھ ہزار روپئے کی رقم قرار پائی، جو اس پرانے ملازم کو دیدی گئی" (مآثر الامرا، جلد دوم ص ۴۰-۶۳۳)

(۱۱۵)

مقام شناسی میں اختلاف | حضرت مجدد الف ثانی جب راہ سلوک کی منزلیں طے کر رہے تھے تو انھوں نے ایک رات ایک اہم خواب دیکھا، اس کا ذکر اپنے ایک مکتوب میں اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ سے کیا، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے کو مختلف مقامات سے گذرتے ہوئے پایا، وہ ایک مقام پر پہونچے، تو معلوم ہوا کہ حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کا مقام ہے، اور یہ تکمیل وارشاد کا مقام ہے. اس مقام سے دوسرے مقام پر پہونچا تو ان کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقام ہے، اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا، وہ اس مقام پر بھی پہونچے، اور ہر مقام پر اپنے کو حضرت خواجہ نقش بند قدس سرہ کو ہمراہ پایا، اس مقام کے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور مقام معلوم نہیں ہوا، البتہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام کے مقابل ایک عمدہ نورانی مقام نظر آیا جو تھوڑا بلند تھا، وہ مقام محبوبیت کا مقام تھا یہاں اگر اپنے کو اس منقش مقام کے عکس سے رنگین پایا،

اس خط کی شہرت پھیلی تو کچھ بد باطن لوگوں نے ان پر الزام رکھا کہ انھوں نے اپنے آپ کو حضرت ابوبکر رضؓ سے افضل تر قرار دیا ہے، انھوں نے اس الزام کی تردید یہ لکھ کر کی کہ جو شخص اپنے آپ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل جانے وہ زندیق محض یا جاہل ہے، جہانگیر کو بھی یہ سمجھایا گیا کہ حضرت احمد سرہندی اس کے

دعویدار ہیں کہ وہ مقام محبوبیت میں پہونچ کر خلفائے راشدینؓ سے زیادہ مقرب الٰہی ہوگئے ہیں، جہانگیر نے ان کو اپنے دربار میں طلب کیا، اور جب اس نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ اپنے کو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے زیادہ افضل سمجھتے ہیں، تو انھوں نے جواب دیا کہ میں حضرت علیؓ تک کو تو اپنے پر فضیلت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں اپنے کو ان سے افضل تر سمجھنے کا کیا سوال ہے، میں تو اپنے کو کتے سے بھی افضل نہیں تصور کرتا ہوں، پھر ان سے پوچھا گیا کہ تقرب الٰہی میں اپنے کو حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مقام سے گذرتا ہوا کیوں لکھا ہے، جواب دیا کہ دربار کا کوئی امیر بڑے منصب داروں سے کے مقام سے گذرتا ہوا تخت شاہی سے تقرب حاصل کرتا ہے تو کیا وہ ان منصبداروں سے زیادہ معزز اور افضل تر سمجھا جاتا ہے، یہ سن کر جہانگیر جز بز ہوا،

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت احمد سرہندی اس وقت دربار میں آئے تو انھوں نے سجدہ تعظیمی نہیں کیا، جہانگیر نے سجدۂ تعظیمی نہ کرنے کی بازپرس کی تو انھوں نے فرمایا کہ سجدہ بجز خداوند قدوس کے کسی اور کے لئے جائز نہیں، دربار کے شیخ الاسلام مفتی عبدالرحمن نے سلاطین کے لئے سجدۂ تحیت کا جواز پیش کیا، تو حضرت احمد سرہندی نے فرمایا کہ یہ رخصت ہے، عزیمت کے خلاف ہے، عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے، اس خلاف توقع جواب سن کر جہانگیر آزردہ اور مشتعل ہوا، اس نے ان کو گوالیار میں محبوس کر دیا، (مکتوبات امام ربانی دفتر اول، مکتوب ۱۱، ۲۰۲ سبحۃ المرجان از غلام علی آزاد بلگرامی ص ۴۸، حضرات القدس، دفتر دوم ص ۱۰۹،۹، تزک جہانگیری ص ۲۷۴-۲۷۵ نولکشور پریس)

(۱۱۶)

ندامت وعقیدت | حضرت احمد سرہندی کی اسیری کے بعد جہانگیر کو ندامت ہوئی

اور کچھ دنوں کے بعد ان کی رہائی کا حکم دیا، جس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے قریب تر ہوئے، حضرت احمد سرہندی اپنے صاحبزادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ الحمد للہ..... بادشاہ کے ساتھ عجیب وغریب صحبتیں گذر رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان گفتگوؤں میں بال برابر مداہنت نہیں دخل پائی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں وہی باتیں ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں، اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے، خاص کر آج ماہ رمضان کی سترہویں رات کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت، عقل کے عدم و استقلال، آخرت کے ایمان، اس کے عذاب و ثواب، رویت و دیدار کے اثبات حضرت خاتم الرسل کی نبوت کی خاتمیت، ہر صدی کے مجدد، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اقتدا، تراویح کے سنت ہونے تناسخ کے باطل ہونے، اور دوسرے موضوع پر بہت کچھ مذکور ہوا، اور بادشاہ بڑی خوشی سے سنتے اور سب کچھ قبول کرتے رہے،...... قرآن مجید کو بادشاہ سے سورۂ عنکبوت تک ختم کرا چکا ہوں، (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم ۱۲۲ھ)

ایک مشہور روایت یہ بھی ہے کہ جہانگیر آخر میں حضرت مجدد سے اتنا متاثر ہو گیا تھا کہ وہ کہا کرتا تھا کہ میرے پاس ایک دستاویز نجات ہے، اور وہ حضرت شیخ کا ارشاد مبارک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا، تو ہم تیرے بغیر نہ جائیں گے،

(۱۱۷)

مشائخ و علماء سے عقیدت | جہانگیر اپنے اسلامی حسن باطن کی بنا پر اپنے دور کے اکابر بزرگان دین سے ملنے میں سبقت کرتا رہا، وہ اپنے بارہویں سال جلوس میں احمد آباد گیا تو وہاں کے مشہور بزرگ شیخ اسماعیل ابن شیخ محمد غوث سے ملا، ان کو خلعت اور پانچ سو روپیہ

دیئے، اور پھر جتنے بزرگ ان سے ملنے کے لئے آئے، ان کو بھی خلعت اور جاگیریں عطا کیں، اور اپنے کتب خانہ خاص سے تفسیر کشاف، تفسیر حسینی اور روضۃ الاحباب وغیرہ جیسی کتابیں نذر کیں، اور پھر اس نے ایک عام حکم دیا کہ مشایخ کی اولادوں کے ساتھ ہر قسم کی رعایتیں کی جائیں (تزک جہانگیری ص ۲۲۰) وہ احمد آباد میں شیخ وجیہ الدین کی خانقاہ میں گیا تو اپنی تزک میں وہاں کا ذکر بڑے احترام سے کرتا ہے، لکھتا ہے:

"میں شیخ وجیہ الدین کی خانقاہ میں گیا، جو محل کے پاس ہی تھی، مزار خانقاہ کے صحن میں تھا، اس پر فاتحہ پڑھی، یہ خانقاہ میرے والد کے ایک ممتاز امیر صادق خاں نے بنوائی، شیخ وجیہ الدین شیخ محمد غوث کے خلیفہ تھے...... شیخ وجیہ الدین کی ارادت سے شیخ محمد غوث کی بزرگی ظاہر ہوتی ہے، شیخ وجیہ الدین صوری فضائل اور معنوی کمالات سے آراستہ تھے، تیس سال پہلے ان کی وفات اس شہر میں ہوئی، ان کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کے صاحبزادے شیخ عبداللہ جانشین ہوئے، وہ بھی اپنی درویشی میں مشہور تھے، جب ان کا وصال ہوا تو ان کے فرزند شیخ اسداللہ ان کے جانشین ہوئے، وہ بھی جلد عالم بقا کو سدھارے، ان کے بعد ان کے بھائی شیخ حیدر سجادہ نشین ہوئے، اور وہی اس وقت موجود ہیں، وہ اپنے آباؤ اجداد کے مزار کی نگہبانی اور درویشوں کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، ان کو دیکھ کر ان سے بزرگی ظاہر ہوتی ہے، شیخ وجیہ الدین کا عرس ہو رہا تھا، میں نے ایک ہزار پانچ سو روپئے عرس کے اخراجات کے لئے شیخ حیدر کو عنایت کئے، خانقاہ میں جو فقراء موجود تھے، ان کو اپنے ہاتھ سے پندرہ سو روپیے خیرات دیئے، پانچ سو روپئے شیخ وجیہ الدین کے بھائی کو بھی دیئے، اسی طرح خانقاہ کے وابستگان اور متعلقین کے لئے اخراجات اور زمین مرحمت کی، شیخ حیدر سے کہا کہ اور جو درویش

اور مستحقین ہوں ان کے نام وہ بتائیں تاکہ ان کو روپیے اور زمین سے مدد کی جائے (ص ۲۱۳)

وہ اپنے تیرھویں سال جلوس میں پچاس برس کا ہوا، تو شمسی سال سے اس کے وزن لینے کی تقریب آگرہ کے پاس کاکریہ میں منائی گئی، یہ رمضان شریف کا زمانہ تھا، جہاں اور تقریبیں منائی گئیں وہاں علماء وصلحاء کی بھی مجلسیں منعقد کی گئیں، وہ خود لکھتا ہے، کہ میں نے جمعہ کے روز حکم دیا کہ اس مقام کے مشایخ اور ارباب سعادت جمع کئے جائیں، اور اس کے ساتھ افطار کریں، رات تک ان کی صحبت رہتی، تین رات مسلسل یہ مجلس رہی، جب مجلس ختم ہوتی تو میں کھڑا ہو کر زبان حال سے کہتا،

خداوندگارا تو نگر توئی — توانا و درویش پرور توئی

نہ کشور کشایم بفرمان دہم — یکے از گدایانِ ایں درگہم

تو بر خیر و نیکی دہم دسترس — وگرنہ چہ خیر آید از من بکس

منم بندگاں را خداوندگار — خداوند را بندۂ حق گذار

اس مناجات میں بڑی قابل قدر عاجزی، بے چارگی اور بندگی کا اظہار ہے، (توزک جہانگیری ص ۲۴۳)

جہانگیر اپنے چودھویں سال جلوس میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے ملا، تو ان کے متعلق لکھتا ہے کہ دہلی کے گوشہ میں بیٹھ کر مدت سے توکل وتجرد کی زندگی بسر کر رہے ہیں، انکی صحبت بے ذوق نہیں ہے، طرح طرح کے مراحم ودلنوازی کر کے ان کو رخصت کیا، انھوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں مشائخ ہند کے حالات ہیں، اس کے لکھنے میں بڑی زحمت اٹھائی ہے، (تزک ص ۲۸۴)

وہ اسی سال پنجاب گیا تو کلانور پہونچ کر اس کو سندھ کے مشہور بزرگ شیخ میر محمد مشہور بہ

میاں میر سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا جو اس وقت لاہور میں تھے، اس کا لاہور جانا ممکن نہ تھا، اس لئے حضرت میاں میر خود اس کے پاس تشریف لائے، ان کی ملاقات کا ذکر اس طرح کرتا ہے،

"مجھ کو یہ خبر ملی کہ لاہور میں میاں شیخ محمد میر نام کے ایک درویش ہیں، سید ہیں، بہت فاضل، مرتاض، ابنارک نفس اور صاحب حال بزرگ ہیں، توکل و عزلت کے گوشہ میں بیٹھے رہتے ہیں، فقر کی دولت سے غنی اور دنیا سے مستغنی ہیں، اور ان اوصاف کو سن کر میرا دل انکی ملاقات کے لئے بے قرار ہوا، اور ان کو دیکھنے کی بے حد خواہش ہوئی، میرا لاہور جانا ممکن نہ تھا اس لئے ان کی خدمت میں لکھ کر اپنے اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا، وہ اپنی کبر سنی اور ضعیفی کے باوجود تکلیف کرکے تشریف لائے، اور ایک مدت تک ان کے ساتھ تنہا بیٹھ کر فوائد حاصل کئے بلاشبہ ان کی ذات بہت ہی شریف ہے، اس زمانہ کو بہت غنیمت جانا، اور میں نیازمند بنکر ان کی صحبت میں رہا، ان سے حقایق و معارف کی بہت سی اونچی باتیں سننے میں آئیں، میں نے ہر چند چاہا کہ ان کی خدمت میں نذرانہ پیش کروں، لیکن ان کو میں نے اس سے بلند پایا، اسلئے نذرانہ دینے کی نہ ہمت ہوئی اور نہ ان سے درخواست کی، آخر میں ہرن کی کھال کی ایک سفید جانماز ان کی خدمت میں گذرانی (تزک جہانگیری نولکشور پریس ص ۲۹۰)

(۱۱۸)

ہندو سنیاسی سے عقیدت | جہانگیر کے زمانہ میں ایک سنیاسی اچھد روپ اسرم نامی اجین کے پاس آبادی سے دور، ایک جنگل میں رہا کرتا تھا، جنگل میں ایک چٹان تھی، اس میں اسنے ایک سوراخ کر لیا تھا، جو ساڑھے پانچ گرہ لمبا اور ساڑھے تین گرہ چوڑا تھا، وہ سانپ کی طرح اس سوراخ کے اندر چلا جاتا، جانے میں پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو لمبا کرتا پھر

سر کے بل سوراخ میں اندر رینگ جاتا، اسی طرح باہر نکل آتا، وہ سوراخ کے اندر پڑا رہتا، اس میں نہ بوریا اور نہ گھاس ہوتی، گرمیوں میں اسکو ہوا کی پروا نہ ہوتی اسی طرح جاڑوں میں آگ کی گرمی کا بھی طلب گار نہ ہوتا، آدھ گز سوتی کپڑے سے اپنا ستر ڈھانکے رہتا، سوراخ سے نکل کر دو مرتبہ دریا پر جاکر غسل کرتا، اور پینے کے لئے پانی پیتل کے ایک برتن میں لیتا آتا، شہر جین میں اس نے سات گھر منتخب کر لئے تھے، جہاں وہ روزانہ ان سات میں سے تین کے دروازوں پر جاکر فقیر کی طرح کھڑا ہو جاتا، وہ لوگ اس کی ہتھیلی پر پانچ لقمے رکھ دیا کرتے تھے، وہ ان کو حلق میں رکھ کر نگل جاتا تاکہ وہ لقموں سے لذت آشنا نہ ہو، ان گھروں میں کوئی عورت ماہواری سے ہوتی، یا وہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا، یا کسی کی دعوت ہوتی رہتی تو وہ وہاں نہ جاتا، وہ سربھ کے لقب سے یاد کیا جاتا، جس کے معنی ہیں کہ جو سب کچھ ترک کر چکا ہو،

جہانگیر اپنے گیارہویں سال جلوس میں اجین گیا، تو اس کو اس سنیاسی سربھی سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، سنیاسی کی قیام گاہ تک راستہ بڑا دشوار گذار تھا، کوئی سواری نہیں پہنچ سکتی تھی، وہ تین میل پاپیادہ چل کر وہاں پہنچا، چھ گھڑی اس کی صحبت میں رہا، اپنی تزک میں لکھتا ہے،

"وہ علم سے خالی نہیں ہے، علم بیدانت جو کہ علم تصوف ہے، خوب سمجھے ہوئے ہے، چھ گھڑی اس کی صحبت میں رہا، بڑی اچھی باتیں ہوئیں جن سے میرے اوپر بہت اثر پڑا، (ص ۱۷۶-۱۷۷)

وہ اپنے سترہویں سال جلوس میں بھی اس سے جاکر ملا، اس ملاقات کا ذکر اپنی تزک اس طرح کرتا ہے،

"دوسری بار جدروپ کی صحبت میں شوق پیدا ہوا، ظہر کی نماز کے بعد کشتی میں سوار ہوا، اور اس کی ملاقات کو چلا، دن کے آخر میں اس کے گوشہ تنہائی میں اس کو دیکھا، اس سے صحبت رہی، اس سے حقائق و معارف کی بہت سی اونچی باتیں سنیں، بلامبالغہ اس نے

تصوف کی بہت سی باتیں منقح کر کے بتائیں، اس کی صحبت سے بڑا حظ حاصل ہوتا ہے، اسکی عمر ساٹھ سال کی ہوگی، جب وہ بائیس ۲۲ سال کا تھا، تو اس نے تمام ظاہری تعلقات کو ختم کر کے شاہراہ تجرید میں قدم رکھا، اور اب ۳۸ سال ہوتے ہیں کہ بے لباسی کے لباس میں زندگی بسر کر رہا ہے، جب میں اس سے رخصت ہونے لگا، تو اس نے کہا کہ میں بھگوان کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں کہ ایسے عدل پسند بادشاہ کے عہد میں بہت ہی آرام اور سکون سے اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت میں مشغول ہوں، اور میری عزیمت میں کسی قسم کا غبار نہیں پڑنے پایا ہے، (تزک جہانگیری ص ۵۵-۲۵۴)

کچھ دنوں کے بعد وہ سنیاسی اجین سے متھرا چلا گیا، اور جمنا کے کنارے رہ کر اپنی ریاضت میں مشغول ہو گیا، جہانگیر اپنے چودھویں سال جلوس میں متھرا گیا، تو اس سے پھر ملا، اپنی تزک میں لکھتا ہے:۔

"اس کی ذات بڑی غنیمت ہے، اس کی مجلس سے بہت محظوظ ہوا، اور مستفید ہوا" (ص ۲۸۶)

وہ ایک ملاقات سے سیر نہیں ہوا، اس لئے پھر اس کے پاس گیا، لکھتا ہے،

"گسائیں جدروپ سے پھر ملنے کی خواہش ہوئی، بے تکلفانہ طور پر اس کے بھٹ کے پاس چلا گیا، صحبت رہی، اونچی باتیں سننے میں آئیں، حق جل و علیٰ نے اس کو عجیب توفیق عطا کی ہے، اس کی فہم عالی ہے، فطرت بلند ہے، ادراک تیز ہے، اس کی دانش خداداد ہے، اپنی جمعیت خاطر کو ہر قسم کے تعلقات سے آزاد کر رکھا ہے، دنیا و مافیہا سے پیٹھ پھیر لی ہے اور مستغنی اور بے نیاز ہو کر تجرید کے گوشہ میں بیٹھ گیا ہے، اس کے دنیاوی سامان میں آدھ گز پرانا کپڑا ہے، اور مٹی کا ایک برتن ہے جس سے وہ پانی پیتا ہے، گرمی جاڑے اور برسات میں عریاں رہتا ہے، بڑی محنت سے ایک سوراخ بنایا ہے، جس میں ایک شیر خوار بچہ بھی بڑی

مشکل سے جا سکتا ہے، وہیں وہ رہتا ہے، حکیم ثنائی کے یہ اشعار اسکے حسب حال ہیں،

داشت لقمان یکے کریچے تنگ — چوں گلوگاہ نائی و سینۂ چنگ
بو الفضولی سوال کرد از وے — چیست ایں خانہ شش بدست و پے
با دم گرم و چشم گریاں ببر — گفت ہذا لمن یموت کثیر

متھرا سے رخصت ہوتے وقت جہانگیر پھر اس سے ملنے گیا، اس پر الوداعی ملاقات شاق گذری، لکھتا ہے،

گسائیں کی ملاقات کے لئے پھر گیا، اس سے وداع ہوا تو اس کی جدائی طبیعت پر بہت گراں گذری، (ص ۲۸۳)

مآثر الامراء کے مصنف کا بیان ہے کہ جہانگیر کے دل پر اس سیناسی کی باتوں کا بہت اثر ہوتا تھا، اور وہ جس کسی کے لئے جہانگیر سے کچھ کہدیتا تو جہانگیر ضرور مان لیتا، اسی زمانہ میں خان اعظم کوکہ سلطان خسرو کی طویل اسیری سے بہت پریشان تھا، وہ سیناسی کے پاس گیا، اور اس سے خسرو کی رہائی کے لئے بادشاہ سے سفارش کرنے کی درخواست کی سیناسی نے جہانگیر سے باتیں کیں، تو وہ خسرو کے جرم کو معاف کر دینے کے لئے تیار ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ وہ کورنش کے لئے آسکتا ہے، یہ مشکل کام اس بے غرض سیناسی کے توسط سے بہت آسان ہو گیا،

مآثر الامراہی میں ہے کہ جہانگیر کا بہزلت حاکم بیگ یعنی نور جہاں کی بہن کا شوہر متھرا بھیجا گیا، تو وہ سیناسی کے یہاں لوگوں کا بہت ہجوم دیکھا کرتا تھا، اس ہجوم سے حکومت کے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی، حاکم بیگ کو یہ پسند نہ آیا، اس لئے ایک روز سیناسی سے بہت ہی ناروا سلوک کیا، اور غصے میں آکر اس کو درے بھی لگوا دیئے، جہانگیر کو اس کی خبر ہوئی تو اس کو

برا غصہ آیا، اس نے اپنی محبوب بیگم کے رشتہ کا بالکل خیال نہیں کیا، اور حاکم بیگ کو اس کے عہدہ سے برطرف کر دیا، اس کا منصب اور اس کی جاگیر ضبط کر لی، (مآثر الامراء جلد اول ص ۷۰۶، ۵۰۹)

(۱۱۹)

ازدواجی محبت جہانگیر کی پہلی شادی راجہ بھگوان داس کی لڑکی مان بائی سے ہوئی، جو شاہی محل میں آکر شاہ بیگم کہلائی، وہ تیس سال تک جہانگیر کی رفاقت کرتی رہی اس سے ایک لڑکی سلطان بیگم، اور ایک لڑکا خسرو پیدا ہوا، مان بائی کو سلیم سے محبت نہیں بلکہ عشق رہا، خسرو جوان ہوا تو اس کو خود اکبر کی جانشینی کا سودا پیدا ہوا، اور اس نے اپنے باپ جہانگیر سے بغاوت کی، مان بائی کو بڑا دکھ پہونچا، اس کے دماغ کا توازن بگڑ گیا، اور افیون کھا کر جان دیدی، جہانگیر کو بھی اس سے بڑی محبت و الفت رہی، مرزا ہادی اقبال نامۂ جہانگیری میں لکھتا ہے، کہ حرم سرا کی بیگمات مین سے جہانگیر کو سب سے زیادہ اسی سے انس و محبت تھی، جہانگیر اپنی تزک میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"اس کی خوبیاں اور نیکیاں کیا لکھوں، انتہائی عقلمند تھی، میرے ساتھ اس کا اخلاص اس درجہ تھا کہ وہ اپنے ہزار لڑکوں اور بھائیوں کو میرا ایک بال بیکا ہونے پر قربان کر دینے کے لئے تیار رہتی، جب خسرو نے سرکشی کی، تو اس نے خسرو کو بارہا لکھا، اور میری محبت و اخلاص کی طرف مائل کیا، لیکن جب دیکھا کہ کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے، اور انجام معلوم نہیں کہ کیا ہو، تو غیرت کے مارے جو راجپوت عورتوں کی طبیعت کا خاصہ ہے، اپنی جان کھو دینے کا تہیہ کیا، ...... جن دنوں میں شکار کے لئے گیا ہوا تھا، ۲۶ ذی الحجہ ۱۰۱۳ھ کو عین شورش دماغ میں اس نے بہت سی مقدار میں افیون کھائی اور تھوڑی دیر میں چل بسی۔"

اس کی موت سے جہانگیر کو بڑا دکھ پہونچا، اس کی یاد میں بڑا بے چین اور بیقرار رہا، لکھتا ہے:

اس کی موت سے دل کے لگاؤ کی وجہ سے مجھ پر بڑا سخت وقت گذرا، زندگی کی کسی قسم کی کوئی لذت میرے لئے باقی نہیں رہی، چار رات دن جس کے بتیس (۳۲) پہر ہوتے ہیں، انتہا درجہ کا رنج و اندوہ رہا، کھانے پینے کی کوئی چیز منھ میں نہ گئی، میرے والد بزرگوار کو یہ حال معلوم ہوا تو بڑی شفقت و محبت سے دلاسا کا خط لکھا، خلعت اور اپنی مبارک پگڑی سر سے جس طرح اتاری تھی، اسی طرح بندھی ہوئی میرے لئے بھیجی، میرے سوز و گداز کی آگ پر اس عنایت سے پانی پڑ گیا، اور میرے اضطراب اور اضطرار میں کچھ قرار آیا (تزک جہانگیری ص ۲۷-۲۵)

نور جہاں جہانگیر کے محل میں آئی تو ان دونوں کی ازدواجی محبت میں بھی بڑی کیفیت رہی، آج بھی ان دونوں کی محبت کے افسانے مشہور ہیں، ایک مشہور روایت یہ ہے کہ ایک دن شہزادہ سلیم صبح کے وقت کبوتر اڑانے کے لئے محل کے بالاخانہ پر آیا، جہاں مہر النساء (نور جہاں کا اصلی نام) اور لڑکیوں کے ساتھ تھی، کبوتر اڑاتے وقت شہزادہ سلیم نے اپنے دو کبوتر مہر النساء کو پکڑنے کے لئے دیئے، خود کبوتر اڑانے میں منہمک ہوا، اتفاقاً ایک کبوتر مہر النساء کے ہاتھ سے چھوٹ کر اڑ گیا، شہزادہ سلیم اس کے پاس آیا تو اس کے ہاتھ میں صرف ایک کبوتر دیکھ کر پوچھا، دوسرا کبوتر کیا ہوا، مہر النساء نے خوفزدہ آواز میں کہا صاحب عالم وہ تو اڑ گیا، شہزادہ سلیم نے پوچھا، کس طرح، مہر النساء نے معصومانہ انداز میں کہا اس طرح، اور دوسرے کبوتر کو بھی اڑا دیا۔ شہزادہ سلیم کو یہ ادا بہت پسند آگئی، یہ قصہ کسی معاصر

تاریخ میں درج نہیں ہے، مگر ایک روایت ہے کہ جہانگیر کے کتب خانہ کے شیخ عاقل نے اس کو ایک مثنوی میں بھی بیان کیا ہے، جس کے چند اشعار یہ ہیں،

دو کبوتر داد اورا شاہزادہ — بہ پروازِ کبوتر دل نہادہ
مژہ چوں چنگلِ شہباز دیدہ — نگہ چوں پنجۂ شاہیں رسیدہ
دگر چوں دیدہ وقت آں ہمہ ناز — کبوتر کردہ بود از دست پرواز
بپرسید چہ کردی آں کبوتر — بگفتا رفت از دستم سراسر
دگر پرسید چوں رفتہ بگو ناز — بگفتا ایں چنیں کرد است پرواز
چنیں گفت و بہ کبوتر داد پرواز — ادایش لطف پیدا کرد با ناز
چو آں کبوتر کہ در دستِ دگر بود — بادہ ہم پیش او بگذشتہ زود
جوابش در ادائے دلبری دید — تبسم کرد و طرحش را پسندید
دلِ شہزادہ را حسن و ادایش — بہم آموخت عشقِ فتنہ زایش

ان اشعار کی زبان جہانگیری دور کی زبان نہیں معلوم ہوتی، پھر اس کے آخر میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اسی واقعہ سے جہانگیر کے عشق کے فتنہ کی ابتدا ہوئی، اس سے یہ روایت مشکوک ہو جاتی ہے، کیونکہ موجودہ دور کے مورخوں نے جہانگیر اور نورجہاں کے ابتدائی عشق کی کہانی کو بالکل من گھڑت قرار دیا ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ جہانگیر کی زوجیت میں آجانے کے بعد نورجہاں نہ صرف ملکہ بلکہ محبوبہ بھی بنی رہی، اس نے جہانگیر کو اپنی خوش سلیقگی، بذلہ سنجی، دل نوازی اور دلداری سے ایسا مائل کیا کہ وہ اپنی دوسری رانیوں اور بیگمات سے بے نیاز ہو گیا، مہرالنساء سے وہ نورجہاں ہو گئی، جہانگیر نے سلطنت کا کاروبار اسی کے ہاتھ میں دیدیا تھا، شاہی سکوں پر جہانگیر کے ساتھ اس کا نام بھی کندہ

ہونے لگا تھا۔

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

ایک روز جہانگیر نے لباس تبدیل کیا، جس کا تکمہ ایک بیش قیمت لعل کا تھا، نور جہاں نے اس کو دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔

ترا نہ تکمۂ لعل است بر قبائے حریر
شدہ است قطرۂ خون منت گریباں گیر

ایک مرتبہ جہانگیر نور جہاں سے کئی روز کے بعد ملا، ملنے کی خوشی میں نور جہاں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، جہانگیر نے اس کیفیت کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا۔ ؎

گوہر ز اشک چشم تو غلطیدہ می رود

نور جہاں نے فوراً دوسرا مصرع کہا۔

آبے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ می رود

نور جہاں جہانگیر کے مزاج پر حاوی ضرور رہی، لیکن جہانگیر نے اس سے کہہ رکھا تھا، کہ مظلوموں کے مقابلہ میں وہ اس کی کوئی سفارش نہیں سن سکے گا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے محل کے برج میں ایک زنجیر لٹکا دی تھی، تاکہ جو مظلوم شاہی دربار تک نہ پہونچ سکے، اس زنجیر کو ہلا دے، جب کوئی شخص اس زنجیر کو ہلاتا تھا، جہانگیر اسی وقت باہر نکل کر دادرسی کرتا تھا، یہ زنجیر سونے کی تھی، ۳۰ گز لمبی اور چار من وزنی تھی، اس میں ساٹھ گھنگھرو تھے جو زنجیر ہلانے سے بجتے تھے، اس کی عدل پروری اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوگی، ایک بار نور جہاں اپنے محل کی مہتابی پر ٹہل رہی تھی، ایک رہرو ادھر سے گذرا، اس نے نور جہاں کو گھور کر دیکھا، نور جہاں کی غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ ایک نامحرم اس طرح گھور کر اس کو دیکھے، اس نے فوراً اس رہرو کو گولی مار دی، جہانگیر کو اس کی خبر ملی تو

اس کو غصہ آگیا، اس نے اپنے دربار کے مفتیوں سے فتویٰ پوچھا، انھوں نے فتویٰ دیا کہ قتل کی سزا قتل ہے، جہانگیر نے حسن و عشق سے بے نیاز ہو کر نور جہاں کو زنجیروں میں بندھوا کر جلاد کے سپرد کر دیا، نور جہاں مجرم، مجبور، حامی و شفیع سے محروم ہو کر جان بچانے کے لئے خوں بہا دینے کے لئے ملتجی ہوئی، مفتیوں نے خوں بہا ایک لاکھ درم مقتول کے وارثوں کو دینے کے لئے سفارش کی، اور جب یہ وارث خوشی سے خوں بہا لینے کے لئے تیار ہوئے تو نور جہاں کو رہائی ملی، یہ سب کچھ ہو چکا تو جہانگیر محل کے اندر گیا، اور نور جہاں کے پاؤں پر گر کر کہا،

"ہائے بیگم اگر ترا می کشتند من چہ می کردم!"

اس واقعہ کو مولانا شبلی نے ایک بڑی پُر کیف نظم میں قلمبند کیا ہے۔

قصرِ شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گذر — ایک دن نور جہاں بام پہ تھی جلوہ فگن
کوئی شامت زدہ رہ گیر ادھر آ نکلا — گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن
غیرتِ حسن سے بیگم نے طپنچہ مارا — خاک پر ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور و کفن
ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی جو خبر — غیظ سے آگئی ابروئے عدالت پہ شکن
حکم بھیجا کہ کنیزانِ شبستانِ شہی — جا کے پوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن
نخوتِ حسن سے بیگم نے بصد ناز کہا — میری جانب سے کرو عرض بہ آئینِ حسن
ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں — مجھ سے ناموسِ حیا نے یہ کہا تھا کہ بزن
اس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک — کشورِ حسن میں جاری ہے یہی شرعِ کہن
مفتیِ دین سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا — کہ شریعت میں کسی کو نہیں جائے سخن
مفتیِ دین نے بے خوف و خطر صاف کہا — شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑا دو گردن
لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اٹھے — پہ جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن

ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر — پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن
پھر اسی طرح اسے کھینچ کے باہر لائیں — اور جلاد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن
یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی — تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہ زمن
اسکی پیشانیِ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ — جا کے بنجاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن
اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ انداز غرور — نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدۂ صبر شکن
اب وہی پاؤں ہر اک گام پہ تھراتے ہیں — جنکی رفتار سے پامال تھے مرغانِ چمن
ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع — ایک بیکس ہے جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن
خدمت شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام — خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امر حسن
مفتی شرع سے پھر شاہ نے فتویٰ پوچھا — بولے جائز ہے رضامند ہوں گر بچہ و زن
وارثوں کو جو دیئے لاکھ درم بیگم نے — سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہ زمن
ہمکو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص — قتل کا حکم جو رک جائے تو ہے مستحسن
ہو چکا جب کہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں — کہ نہیں اس میں کوئی شائبۂ حیلہ و فن
اٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم — تھی جہاں نور جہاں معتکف بیت حزن

دفعتہً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا
تو اگر کشتہ شدی آہ چہ می کردم من

(منتخب التواریخ از خافی خاں ج ۱ ص ۲۷۰، بزم تیموریہ ص ۴۴۴-۴۴۳، مقالات شبلی ج ۴ ص ۱۰۳-۱۰۲، کلیاتِ شبلی اردو ص ۴۸-۴۷)

جہانگیر اپنے پندرھویں سالِ جلوس میں بہت سخت علیل ہو گیا شاہی اطبا کے علاج سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا، پھر نور جہاں نے خود اس کا علاج کرنا شروع کر دیا، جہانگیر کا بیان

ہے کہ نور جہاں کا تجربہ اور اس کے معالجہ کی تدبیر اطباء سے بہتر تھی، اس نے بڑی محبت اور دل سوزی سے جہانگیر کی شراب نوشی کم کرادی، نامناسب اور ناموافق غذاؤں پر پابندی عائد کردی، جس کے بعد وہ صحتیاب ہونے لگا، اس کو مکمل صحت ہو گئی تو نور جہاں نے جشن نوروزی کے موقع پر اس کی صحت کی خوشی میں ایک بڑا جشن منایا، اسکی زینت و آرایش، ایسی کی کہ دیکھنے والے دنگ ہو گئے، جہانگیر کا بیان ہے کہ جب سے نور جہاں بیگم اس کے عقد ازدواج سے منسلک ہوئی، شمسی اور قمری وزن کے جشنوں کا معیار پہلے سے بہت بڑھ گیا تھا، لیکن اس صحت کا جشن اور تمام جشنوں سے بڑھا ہوا تھا، تمام لوگ متحیر تھے، جن لوگوں نے بیماری میں خدمت کی تھی، ان کو خلعت شمشیر مرصع، خنجر مرصع، گھوڑے، ہاتھی اور روپیوں کے خوان عطا کئے گئے، اطبا بھی نوازے گئے، گرچہ ان کے علاج سے فائدہ نہیں ہوا تھا، روپے اور جواہرات کے خوان اہل نشاط اور مستحقین کو بھی دیئے گئے، جوتک رائے ایک ہندو نجومی نے صحت کی پیشین گوئی کی تھی، اس کو تول کر اشرفیاں اور روپیے عطا کیے گئے، جو پانچ سو اشرفیاں اور سات ہزار روپیے ہوئے خود جہانگیر کے سامنے جواہرات، مرصع آلات، طرح طرح کے کپڑے اور دوسری نادر چیزیں پیش کی گئیں، اس نے اپنی خواہش کے مطابق کچھ چیزیں پسند کرلیں، اس جشن میں نور جہاں نے دو لاکھ روپیے خرچ کئے، جن میں نچھاور کی رقم شامل نہ تھی، (تزک جہانگیری ملک)

نور جہاں جہانگیر کی راحت و آسایش کا سامان نہ صرف محل کے اندر کرتی رہتی بلکہ میدان جنگ میں بھی اس کے لیے سینہ سپر رہتی، سنہ ۱۰۳۵ھ میں جہانگیر کشمیر سے کابل جا رہا تھا، تو دریائے جہلم کو عبور کرتے وقت مہابت خاں نے سازش کر کے جہانگیر کو اپنی حراست میں لے لیا، نور جہاں نے ساتھ تھی، جہانگیر کا قید ہونا تھا، کہ شاہی

فوج میں انتشار پھیل گیا، نورجہاں اپنی فراست اور تدبیر سے کام لے کر مہابت خاں کے پنجہ سے بچ نکلی، اور دریا کی دوسری طرف اپنے بھائی آصف خاں سے جا ملی، وہاں پہونچ کر ارکان دولت کو طلب کیا، اور نہایت ہی خشمگیں ہو کر ان کے سامنے ایک ملامت آمیز تقریر کی کہ،

"تمہاری غفلت اور ناتجربہ کاری سے ایسی بات پیش آئی، جو کسی کے خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی، تم اب خدا اور خدا کی مخلوق کے سامنے شرمندہ ہو، لیکن یہ شرمندگی اس وقت دور ہو سکتی ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے، اس کا تدارک ہونا چاہئے، بتاؤ، اب کیا کرنا ہے؟"

اس ملامت بھری تقریر کو سن کر نورجہاں کے ہمراہیوں نے باتفاق مہابت خاں کی فوجوں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا، خود نورجہاں اپنی نواسی یعنی شہریار کی بچی اور اسکی انگہ کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہو کر دریا میں داخل ہوئی، اس کی عماری پر دو ترکش، دو کمان اور بندوق تھی، شاہی فوج دریا میں تھوڑی دیر آگے بڑھی تھی کہ اس میں کئی غار ملے جس سے فوج کا تسلسل ٹوٹ گیا، اور وہ علحدہ علحدہ ہو گئی، مہابت خاں کے راجپوت سپاہیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ساحل پر ہاتھیوں کی قطار کھڑی کر دی، اور تیروں کی بارش شروع کر دی، تفنگ کے گولے اور بان بھی برسانے لگے، پھر بھی نورجہاں کی جان نثار اور جانباز فوج ساحل پر پہونچ گئی، اور تیر و سنان کی جنگ ہونے لگی، فریقین کے لشکریوں کے خون سے دریا لالہ زار ہو رہا تھا، اسی دار و گیر میں راجپوت تیراندازوں کا ایک تیر نورجہاں کی عماری میں شہریار کی بچی کے بازو میں جا لگا، عماری رنگین ہو گئی، لیکن نورجہاں نے کسی قسم کی پریشانی ظاہر

نہیں کی، بچی کے بازو سے تیر نکال کر زخم کو باندھ دیا، راجپوتوں نے نور جہاں کے ہاتھی اور فیلبان کو تلوار اور برچھے سے زخمی کرنے کی کوشش کی جس سے ہاتھی سراسیمہ ہو کر دریا کی طرف بھاگا، مگر کچھ فوجی ایسے تھے جو ساحل پر پہونچ کر تیروں کی بارش کرنے لگے، لیکن وہ جہانگیر کو رہا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے، نور جہاں نے اپنی فوج کی پسپائی دیکھی تو اپنے محبوب شوہر کی جدائی گوارا نہ کر سکی، اپنی شکست مان کر جہانگیر کے پاس پہونچ گئی، اس کے بعد مہابت خاں گویا سلطنت کا مالک ہو گیا، وہ جہانگیر کو اپنے ساتھ کابل لے چلا، نور جہاں کے مخالف امرار خوش تھے کہ اس کا اقتدار جاتا رہا، مہابت خاں نے راجپوت امرار کی مدد سے جہانگیر اور نور جہاں کو مغلوب کیا تھا اس لئے راجپوت امرار اس سے اپنی خدمت کے معاوضے کے خواہاں ہوئے، جس سے ان کے اور مہابت خاں کے دوسرے حامی امرار میں سخت آویزش ہوئی، اور فریقین میں خونریزی شروع ہو گئی، نور جہاں نے اپنے تدبر اور فراست سے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا، اس نے جہانگیر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ بظاہر مہابت خاں سے جا ملے، اور اس پر ظاہر کرے کہ وہ اس کو اپنا وفادار اور بہی خواہ سمجھتا ہے، اور آصف خاں اور نور جہاں کے استیلا کے پنجہ سے آزاد ہو کر اسی کو اپنا معتمد علیہ سمجھتا ہے، جہانگیر نے مہابت خاں پر ایسا ہی اثر ڈالا، یہاں تک کہ مہابت خاں اپنے حامی امیروں اور محافظوں کو اپنے پاس سے کم کر کے جہانگیر کی حفاظت کے لئے بھیجدیا، نور جہاں کی فراست بیدار ہوئی، اس نے مہابت خاں کے امرار کو توڑنا شروع کیا کسی کی لالچ کو پورا کیا، کسی کو شاہانہ نوازشوں سے امیدیں دلائیں، کسی سے بڑی نرمی اور آشتی سے پیش آئی، یہاں تک کہ مہابت خاں کے بہت سے امرار اس کے طرفدار ہو گئے، اور جب مہابت خاں جہانگیر کو لے کر کابل سے لاہور کی طرف بڑھا

نورجہاں پہونچتے پہونچتے نورجہاں نے مہابت خاں کے فوجی امراء کو بالکل اسکے خلاف کر دیا، اور اقتدار کا پانسہ مہابت خاں کے بالکل خلاف پڑگیا، اور وہ نورجہاں سے ہار مان کر اس کے سامنے جھک گیا، اور جس مقام پر جہانگیر کو حراست میں لیا، اسی مقام پر پر آکر جہانگیر نے پھر اپنے کو ہندوستان کا حکمراں پایا، اور یہ سب کچھ نورجہاں کی فہم وفراست اور دور اندیشی کی بدولت عمل میں آیا (اقبال نامۂ جہانگیری ص ۷۹-۲۶۵)

جہانگیر کی وفات کے بعد نورجہاں اپنے اقتدار سے محروم ہوگئی، لیکن اس کا زیادہ تر وقت جہانگیر کے مقبرہ کی تعمیر میں گذرتا، اس نے اپنے دل سوزی اور تندہی سے اس کو بنوایا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے دل کے سارے جذبات اس عمارت میں منتقل ہوگئے ہیں، جہانگیر کی وفات کے بعد وہ صرف سفید پوشاک پہنتی اپنے بناؤ سنگار کا مطلق خیال نہیں کرتی، جہانگیر لاہور ہی میں دفن ہوا، اس لئے اس نے اپنی بقیہ عمر لاہور ہی میں گذاری اور مشہور ہے کہ لاہور کے متعلق اس نے یہ شعر کہا تھا،

لاہور را بجاں برابر خریدہ ایم　　جاں دادہ ایم وجنت دیگر خریدہ ایم

یہ شعر بتارہا ہے کہ اس کی نظر میں لاہور کی اہمیت اس لئے ہوگئی تھی کہ اس کا محبوب شوہر یہاں زیر خاک ابدی نیند سو رہا تھا، اس کو اپنے شوہر کے پہلو ہی میں اسی طرح دفن ہونا چاہئے تھا، جس طرح شاہجہاں ممتاز محل کے پہلو میں دفن کیا گیا، لیکن شاہجہاں نے اس کو جہانگیر کے مقبرے سے باہر ایک چھوٹے سے مقبرہ میں دفن کیا، جو اس بات کا ثبوت ہے، کہ شاہجہاں نے اپنی سوتیلی ماں سے اس فراخدلی کا ثبوت نہیں دیا جو تیموری بادشاہوں کی روایت بنگئی تھی،

نسوانی بہادری　نورجہاں جہانگیر کے ساتھ اس کے شکار گاہ میں بھی جاتی، اور اپنی

تفنگ اندازی اور نشانہ بازی کی اعلیٰ مہارت بھی دکھائی، اس نے جہانگیر کے گیارہویں سال جلوس میں ایک بہت بڑا فریشہ مارا، جہانگیر لکھتا ہے کہ اتنا بڑا اور ایسا خوش رنگ فریشہ نہیں دیکھا، اس نے اس کا وزن کرایا تو یہ ۱۹ تولے اور پانچ ماشہ کا نکلا، (تزک جہانگیری ص۱۶۱)

اپنے بارہویں سال جلوس میں جہانگیر شکار کرنے گیا، تو شکارگاہ میں اس کے ساتھ نورجہاں کے علاوہ اور بیگمات بھی تھیں، شکارگاہ میں قراول نے چار شیر ہانک کر نشانہ کی زد میں لائے جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ یہ چاروں شیر نظر آئے تو نورجہاں بیگم نے التماس کیا کہ اگر حکم ہو تو میں ان شیروں پر بندوق چلاؤں، میں نے کہا "چنیں باشد" نورجہاں بیگم نے بندوق کی ایک گولی سے دو شیر مارے اور بقیہ دو شیروں کے لئے چار بار بندوق چلائی آنکھ جھپکتے یہ چاروں شیر چھ گولیوں سے ڈھیر ہو کر رہ گئے، میں نے ایسی تفنگ اندازی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، ہاتھی کی عماری میں سے چھ گولیاں چلائی گئیں، اور ایک بھی خطا نہیں ہوئی، ان چاروں شیروں کو اچھلنے اور حرکت کرنے کا موقع بالکل نہیں ملا، میں نے اس کے انعام میں نورجہاں بیگم کو ایک ہزار اشرفیاں نچھاور کیں ہیرے کی ایک جوڑا پہنچی بھی دی، جس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی، (تزک جہانگیری ص۱۸۷-۱۸۶)

جہانگیر کو اپنے چودھویں سال جلوس میں متھرا کے پاس شاہی دورہ میں تھا کہ اس کو اس کو خبر ملی کہ آس پاس کے جنگل میں ایک شیر ہے، جو لوگوں کو زخمی کر دیا کرتا ہے، اس نے حکم دیا کہ اس جنگل کو ہاتھیوں سے گھیر لیا جائے، وہ نورجہاں کے ساتھ ہاتھی پر بیٹھ کر جنگل گیا، شیر سامنے نظر آیا، تو ہاتھی سراسیمہ ہوا، کیونکہ ہاتھی شیر کی بو سونگھ کر پریشان ہو جاتا ہے، ہاتھی کی گھبراہٹ میں عماری سے نشانہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے، جہانگیر لکھتا ہے کہ اس کے بعد اس کا درباری مرزا رستم نشانہ بازی میں بے مثل تھا، پھر بھی ہاتھی

پر سے اس کے تین چار نشانے خطا ہو جاتے، لیکن نورجہاں بیگم نے اس شیر کو ایک ہی گولی میں ڈھیر کر دیا، (ص ۲۸۲)

(۱۲۱)

عدل پروری جہانگیر کا ایک بہت ہی معزز امیر مقرب خاں تھا، جس نے جہانگیر کے مزاج میں بڑا اور خور حاصل کر لیا تھا، اسی لئے مقرب خاں کے خطاب سے نوازا گیا تھا، جہانگیر کے پانچویں سال جلوس میں ایک بڑھیا نے اس کے سامنے آکر فریاد کی کہ مقرب خاں نے کھمبائت کے قیام میں اس کی لڑکی کو زبردستی اپنے یہاں بلایا، کچھ دنوں کے بعد وہ اپنی لڑکی کی طلب گار ہوئی تو اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ فطری موت مر گئی، اس استغاثہ کے بعد جہانگیر نے تحقیقات کا حکم دیا، اور بہت جستجو کے بعد یہ پتہ چلا کہ مقرب خاں کا ایک ملازم اس سلسلہ میں مجرم ہے، جہانگیر نے اس کو پوری سزا دی، اور مقرب خاں کے اثر و رسوخ کا خیال کئے بغیر اس کا آدھا منصب کم کر دیا، (تزک جہانگیری ص ۸۴)

(۱۲۲)

علمی و ادبی سرپرستی جہانگیر نے طالب آملی کو اپنے دربار کا ملک الشعراء بنایا، جس کے بعد اس نے بڑی خوشحالی سے زندگی بسر کی، اس کے دربار کے مشہور شاعروں میں نظیری نیشاپوری بھی تھا، اس نے اس کی شان میں ایک قصیدہ کہا، تو اس کو اس نے ایک ہزار روپے گھوڑا اور خلعت عطا کیا، ایک دوسرے موقع پر اس نے ایک شاہی عمارت کے لئے ایک کتبہ لکھا تو اس کے صلہ میں اس کو تین ہزار بیگہے زمین ملی، (سرو آزاد ص ۴۴) جہانگیر کے دربار کا ایک دوسرا شاعر حیاتی گیلانی تھا، جو اس کے ساتھ برابر سفر و حضر میں رہتا، حیاتی گیلانی نے خسرو شیریں کی بحر میں سلیمان و بلقیس کا قصہ لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کیا، تو اس نے

خوش ہو کر حیاتی گیلانی کو سونے میں تلوا کر سونا انعام دیا، (میخانہ ص ۵۳۶) اس نے حکیم عارف ایگی کو بھی اپنے شاہانہ لطف و کرم سے نواز کر کے صوبہ بہار میں پانچ سو بیگھے زمین گذران اوقات کے لئے عطا کی، (میخانہ ص ۲۷-۴۲۰ مزید تفصیل کے لئے دیکھو بزم تیموریہ ص ؟)

(۱۲۳)

تیر اندازی کی ایک اعلیٰ مثال باقر خاں نجم ثانی جہانگیر کے دربار کا بڑا ممتاز امیر تھا، اپنی زندگی کی ابتدا ہی سے شان و شوکت کا عادی رہا، اس کے دسترخوان کے لئے دو سو بھیڑیں روز ذبح ہوتی تھیں، ایک ہزار رکابوں میں طرح طرح کے کھانے دسترخوان پر لگائے جاتے، وہ سفر میں بھی ہوتا تو اس کے باورچی خانہ کے لئے چالیس اونٹ ذبح کئے جاتے، شجاعت اور سپہگری میں بھی اپنی مثال آپ تھا، جہانگیر نے تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ ایک رات باقر خاں نے میرے سامنے شیشے کے ایک سفید اور نازک مشعل پر موم سے کوئی چیز مکھی کے برابر بنا کر چپکا دی، اس پر ایک چاول رکھا، اور اس کے اوپر ایک کالی مرچ رکھ دی، پہلے تیر سے مرچ کو اس طرح اڑا دیا کہ چاول اپنی جگہ پر رہا، پھر چاول کو تیر سے اڑا دیا، اور آخر میں موم سے بنائی ہوئی چیز کو تیر سے علحدہ کیا، اور شیشے کو کوئی نقصان نہیں پہونچا، (تزک جہانگیری ص　　ماثر الامراء جلد اول ص ۱۰۰۔۱۰۴)

(۱۲۴)

مصوری کی اعلیٰ مہارت جہانگیر اپنے چھٹے سال جلوس میں اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ ایک شاہی نقاش نے اس کے سامنے ہاتھی دانت کے چار مرقعے پیش کئے، ایک میں چند پہلوان لڑ رہے تھے، ایک ہاتھ میں نیزہ لئے کھڑا تھا، دوسرے کے ہاتھ میں پتھر کا ایک ٹکڑا تھا، ایک اور پہلوان زمین پر ہاتھ ٹیکے بیٹھا تھا، سامنے

ایک کمان، ایک لکڑی، اور ایک ظرف رکھا تھا، دوسرے مرقع میں ایک تخت تھا، جس پر ایک شامیانہ بنا ہوا تھا، تخت پر ایک بادشاہ پاؤں پر پاؤں رکھے ہوئے بیٹھا تھا، پیٹھ تکیہ سے لگی ہوئی تھی، پانچ خدمت گار گرد و پیش کھڑے تھے، اوپر سے ایک درخت کی شاخ بادشاہ کے سر پر سایہ کر رہی تھی، تیسرے مرقع میں نٹ تماشا دکھا رہے تھے، ایک ٹٹی کھڑی تھی، اس میں تین طنابیں بندھی تھیں، ایک نٹ اس طرح کھڑا تھا کہ بائیں ہاتھ کو سر کے پیچھے سے لاکر دائیں پاؤں کو پکڑ لیا تھا ایک ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، جس کے سرے پر ایک بکری معلق تھی، ایک اور نٹ گلے میں ڈھولک باندھے ہوئے بجا رہا تھا، ایک اور شخص ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے کھڑا تھا، اور طناب کی طرف دیکھ رہا تھا، پانچ شخص ادھر ادھر کھڑے تھے، چوتھے مرقع میں ایک درخت تھا، درخت کے نیچے حضرت عیسٰی علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی ان کے پاؤں چوم رہا تھا، وہ ایک بوڑھے شخص سے باتیں کر رہے تھے، چار شخص آس پاس کھڑے تھے، یہ تمام تصویریں ہاتھی دانت کی تھیں، جو صرف ایک پستہ کے چھلکے میں آجاتی تھیں، جہانگیر اس صناعی کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا تھا، اوپر کی تمام تفصیل بیان کر کے لکھتا ہے کہ ایسا کام آج تک نہ دیکھا اور نہ سنا گیا تھا، (تزک جہانگیری ص ۹۸، مقالات شبلی تاریخی ص ۱۰۰-۹۹، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے ص ۵۹)

(۱۲۵)

چیتے سے لڑائی جہانگیر پرگنہ باری کے شاہی دورہ پر تھا کہ ایک جگہ اس کو خبر ملی کہ ایک چیتہ پاس کے جنگل میں ہے، جمعرات کا دن تھا، اس کا حکم تھا کہ جمعرات اور

اتوار کے دن کوئی جانور ذبح اور ہلاک نہ کیا جائے، کیونکہ جمعرات کو وہ تخت پر بیٹھا، اور اتوار کی رات کو پیدا ہوا تھا، لیکن چیتے کی خبر پاکر بے تاب ہو گیا، اور اس کے شکار کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، اس چیتے کو اس کے دربار کے ایک راجپوت سردار راجہ انوپ رائے ہانک کر ایک ایسے درخت کے پاس لے آیا تھا، جس پر کچھ چیلیں بیٹھی ہوئی تھیں، جہانگیر نے ان چیلوں کو دیکھا تو اس نے پہلے اپنی کمان اور تکہ سنبھالا، اور اس درخت کے پاس پہنچا، جہاں ایک گائے پڑی تھی، یہ آدھی کھائی ہوئی تھی، وہیں ایک ہیبت ناک اور قوی جثہ کا چیتا دکھائی دیا، اسی کی خبر انوپ رائے نے اسکو دی تھی، وہ وہاں اس کے شکار کے لئے بیتابانہ پہنچ گیا، اس کے ساتھ شہزادہ خرم، رام اعتماد رائے، حیات خاں وغیرہ بھی گئے، اس نے شیر کو ایک درخت کے سایہ میں کھڑا دیکھا، دو گھڑی دن باقی تھا، وہ اپنے گھوڑے پر سے بندوق چلانا چاہتا تھا، لیکن گھوڑا سراسیمہ ہوا، تو وہ اس پر سے اتر گیا، پھر اپنی بندوق چلائی، وہ کچھ بلندی پر کھڑا تھا، چیتا کچھ نیچے تھا، اس لئے اس کو اندازہ نہ ہو سکا کہ اس کا نشانہ ٹھیک بیٹھا یا نہیں، اس نے پھر بندوق چلائی، اس مرتبہ چیتے کو گولی لگی، وہ زخمی ہو کر حملے کے لئے آگے بڑھا، اس کے سامنے میر شکار کھڑا تھا، جس کے ہاتھ میں ایک شاہین تھا، چیتے نے اسی پر حملہ کر کے اس کو زخمی کر دیا، پھر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا، جہانگیر نے موقع پاکر اپنی بندوق تیسری بار چلائی، راجہ انوپ سنگھ اور ہمراہیوں کے ساتھ کھڑا تھا، اس کی کمر میں تلوار تھی، اور اس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا، شہزادہ خرم جہانگیر کے بائیں طرف کھڑا تھا، رام داس اور دوسرے لوگ جہانگیر کے پیچھے سب کچھ دیکھ رہے تھے، اس کے قراول نے پھر بندوق بھر دی، اور وہ اس کو چلانے والا ہی تھا کہ چیتا غراتا ہوا اس پر

حملہ آور ہوا، اس نے فوراً اپنی بندوق چلائی، گولی چیتے کے منھ اور دانت پر لگی، بندوق کی آواز سے چیتا اور غضبناک ہو گیا، جہانگیر کے ہمراہیوں میں بھگدڑ مچ گئی، ان کے بھاگنے سے جہانگیر کو بھی دھکا لگا، اور وہ زمین پر گر پڑا، بھاگنے والے ایسے پریشان تھے کہ ان میں کچھ لوگ جہانگیر کے سینے کو روندتے ہوئے بھاگے، ان میں سے اعتماد رائے، اور کمال قراول نے آگے بڑھ کر جہانگیر کو زمین پر سے اٹھایا، چیتا ان لوگوں پر حملہ آور ہوا جو بائیں جانب تھے، انوپ رائے اس کے مقابلہ کے لئے سینہ سپر ہو گیا، چیتے نے اس پر زبردست حملہ کیا، لیکن اس نے اس کا مردانہ وار مقابلہ کیا، اس نے دو ڈنڈے چیتے کے سر پر مارے، چیتے نے انوپ رائے کے دونوں ہاتھ اپنے منھ سے پکڑ لئے اور ان کو چبانا چاہا، لیکن انوپ رائے کے ہاتھ میں جو ڈنڈا اور اسکی انگلی میں جو انگوٹھی تھی ان کی وجہ سے وہ اس کے ہاتھوں کو چبا نہ سکا، چیتے سے لڑنے میں انوپ رائے زمین پر گر پڑا، اسکی پسپائی کو دیکھ کر اس کی مدد کے لئے شہزادہ خرم اور رام داس آگے بڑھے، شہزادہ خرم نے چیتے کی کمر پر اپنی تلوار سے ایک ضرب لگائی، رام داس نے بھی اس کے شانے پر تلوار کی دو وار لگائی، اس لڑائی میں حیات خاں نے بھی چیتے کے سر پر کئی ڈنڈے مارے، انوپ رائے نے موقع پاکر اپنے دونوں ہاتھ چیتے کے منھ سے نکال لئے اور دو تین گھونسے چیتے کے کلے پر لگائے، اور پہلو بدل کر اپنے زانو کے سہارے اٹھ کھڑا ہوا، چیتے کے منھ سے ہاتھ نکالتے وقت یہ بری طرح زخمی ہو چکے تھے، لیکن وہ مردانہ وار کھڑا تھا، چیتے نے بڑھ کر اس کے سینے پر پنجہ مارا، انوپ رائے نے اس کے اگلے دونوں غول اپنے ہاتھوں سے پکڑ لئے، پھر تو دونوں میں ایسی کشتی ہونے لگی جیسے کوئی دو پہلوان لڑتے ہوں، جہاں یہ کشتی ہو رہی تھی وہاں پر زمین

ناہموار تھی، انوپ چیتے کو گھسیٹ کر ایک ہموار زمین کے پاس لے آیا، وہاں پر جہانگیر خود کھڑا تھا، چیتا چھٹ کر بھاگا، انوپ رائے نے اس کا پیچھا کیا، اور اس کے سر پر ایک تلوار لگائی، چیتا پلٹا، انوپ رائے نے تلوار کی دوسری ضرب اس کے چہرے پر لگائی جس سے اس کی دونوں آنکھیں کٹ کر رہ گئیں، ابرو کے چمڑے لٹک گئے، یہ لڑائی اتنی دیر تک ہوتی رہی، کہ شام کی تاریکی چھاگئی، ایک چراغچی صالح نامی نے جلدی سے چراغ جلایا، چیتا اس کے پاس پہنچ گیا، اور اس کو ایک ایسا پنجہ مارا کہ وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا اس اثنار میں اور لوگ آگے بڑھے، اور چیتے کو بالآخر ہلاک کر دیا، جہانگیر انوپ رائے کی بہادری سے بے حد متاثر ہوا، اور جب وہ اپنے زخم سے اچھا ہو کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس کو انی رائے کے ساتھ سنگھ دلن کے خطاب سے نوازا، ہندی میں انی رائے کے معنی سردار فوج اور سنگھ دلن کے معنی شیر مار کے ہیں، (تزک جہانگیری ص ۱۰-۹۰)

(۱۳۶)

راجپوتوں کی دلداری مغل بادشاہوں کے دربار میں راجپوت امرار اور راجپوت لشکریوں کی خاطرداری کی پوری کوشش کی جاتی، اکبر نے تو اس کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، اس کے زمانہ میں راجپوتوں سے دوستی اور یگانگت کی جو فضا پیدا ہو گئی تھی، وہ جہانگیر کے زمانہ میں بھی باقی رہی، اور اس کے مسلمان امرار بھی کوشش کرتے کہ راجپوتوں کی دلشکنی نہ ہو، جہانگیر کے اٹھارہویں سال جلوس میں شاہی فوجی مہابت خاں کی کمان میں دکن میں مقیم تھی، سادات بارہہ میں سید کبیر کے ایک بھائی نے اپنی تلوار ایک صیقل گر کو صیقل کرنے کو دی، صیقل گر کی دوکان لشکر کے ایک راجپوت فوجی سردار راجہ گردھر گھوڑاہا کے پاس تھی، صیقل کی اجرت میں صیقل گر اور سید کبیر کے بھائی میں جھگڑا ہونے

لگا، سید کے ملازموں نے غصہ میں آکر صیقل گر کو دو تین لکڑیاں مار دیں، راجہ گردھر کے راجپوت سپاہیوں نے صیقل گر کی حمایت کی، اور سید کے نوکروں کو زدوکوب کیا، یہاں تک بات بڑھ گئی، کہ فریقین میں تلواریں چلنے لگیں، سید کبیر کو معلوم ہوا تو کچھ سواروں کا دستہ لے کر پہونچ گئے، اور راجہ گردھر کی قیام گاہ کو گھیر لیا، اور غصہ میں اندر گھس کر تلوار چلانے لگے، راجہ گردھر نے بھی اپنی تلوار سونت لی، لیکن وہ چھبیس راجپوت سواروں کے ساتھ ہلاک ہوا، سید کبیر کی طرف سے بھی چار سید مارے گئے، یہ خبر پھیلی تو لشکر کے راجپوت ایک طرف جمع ہو گئے، دوسری طرف سادات بارہہ اکٹھا ہوئے، قریب تھا کہ دونوں میں پھر کشت وخون ہو جائے کہ مہابت خاں کو خبر ہو گئی، وہ موقع واردات پر پہونچا، اپنی حکمت عملی سے دونوں کے اشتعال کو فرو کیا، پھر راجہ گردھر کی قیامگاہ پر جاکر اس کے لڑکوں سے تعزیت کی، بعد میں سید کبیر گرفتار ہوئے، اور محض راجہ گردھر کے لڑکوں اور راجپوتوں کی تسلی کی خاطر سید کبیر قصاص میں قتل کر دیئے گئے (آئین اکبری انگریزی ترجمہ ص ۴۷۷) ہندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام ص ۱۱۴)

(۱۲۷)

غیرت راجپوت　جہانگیر کو اپنے راجپوت امرا پر بڑا بھروسہ تھا، اس کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ اس کو برابر خیال رہا کہ وہ اس کی خاطر کبھی میدان جنگ سے منہ نہیں موڑ سکتے، اس نے اپنے ایک راجپوت سردار رام داس کچھواہہ کو اس کی خدمات کے صلہ میں راجہ کرن کا خطاب دیا تھا، وہ جہانگیر کے چھٹے سال جلوس میں ملک عنبر کے خلاف دکن بھیجا گیا، تو اس کو شکست ہوئی اور اس نے میدان چھوڑ دیا، جب جہانگیر سے وہ ملا تو جہانگیر نے اس سے کہا کہ راجپوتوں میں جنگ سے بھاگنا بہت معیوب ہے، افسوس ہے کہ تجھے راجہ کرن کے خطاب

کی بھی شرم نہیں آئی، اور اپنے دربار میں آنے سے منع کر دیا، لیکن پھر جہانگیر کی خفگی جاتی رہی، اس نے اس کو بنگش کی مہم پر مامور کر دیا (مآثر الامراء جلد دوم ص ۱۵۵)

(۱۴۸)

نیک نیت کا پھل | جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے، کہ ایک سلطان گرمی کے موسم میں ایک باغ کے دروازہ پر پہنچا، وہاں ایک بوڑھا باغبان کھڑا تھا، اس کو دیکھ کر سلطان نے پوچھا کیا اس باغ میں انار ہے، باغبان نے کہا "ہے" سلطان نے کہا ایک پیالہ انار کا رس لاؤ، باغبان کی ایک لڑکی صورت کے جمال اور سیرت کے حسن سے آراستہ تھی، باغبان نے اس سے انار کا رس لانے کو کہا وہ گئی، اور ایک پیالہ بھر کر انار کا رس لے آئی، پیالہ پر انار کی کچھ پتیاں رکھی ہوئی تھیں سلطان نے اس کے ہاتھ سے پیالہ لیا، اور پورا پی گیا، پی کر ...... اس لڑکی سے پوچھا کہ پیالہ کے رس کے اوپر تم نے پتیاں کس لئے رکھ دی تھیں، لڑکی زبان کی فصیح اور اپنی اداؤں میں بھی بڑی ملیح تھی، اس نے عرض کیا، اس گرمی میں آپ پسینہ میں غرق تھے، رس کا ایک سانس میں پی جانا آپ کے لئے مناسب نہ تھا، میں نے احتیاطاً اس پر پتیاں ڈال دی تھیں کہ آپ آہستہ آہستہ اس کو نوش جاں فرمائیں، سلطان کو یہ حسن ادا بہت پسند آگیا، اور اس کے جی میں آیا کہ اس کی لڑکی کو اپنے محل میں داخل کر لیں، اس کے بعد اس باغبان سے پوچھا کہ تم کو ہر سال اس باغ سے کیا حاصل ہوتا ہے، اس نے جواب دیا "تین سو دینار" سلطان نے پوچھا "دیوان کو کیا دیتے ہو" باغبان نے کہا میرا بادشاہ درخت سے کچھ نہیں وصول کرتا ہے، بلکہ کھیتی سے عشر لیتا ہے،

سلطان کے دل میں یہ خیال گذرا کہ میری مملکت میں بہت سے باغ اور درخت ہیں، اگر باغ سے بھی عشر لیا جائے، تو پھر بہت روپیے جمع ہو جائیں، اور رعیت کو بھی زیادہ نقصان نہ پہنچے، اس لئے میں حکم دونگا کہ باغات کے محصولات سے بھی خراج لیا جائے، یہ سونچ کر اس نے انار کا رس پھر پینے کو مانگا، لڑکی رس لانے گئی تو بہت دیر میں آئی، جب پیالہ لائی تو سلطان نے کہا کہ پہلی بار تم گئیں تو بہت جلد آئیں اور انار کا رس بھی بہت لائیں، اس مرتبہ بہت انتظار کے بعد تم آئیں، اور انار کا رس بھی کم لائیں، لڑکی نے کہا کہ پہلی بار ایک انار میں پیالہ بھر گیا تھا، اس مرتبہ میں نے پانچ چھ انار نچوڑے، پھر بھی رس پورا نہیں ہوا، یہ سن کر سلطان کو حیرت ہوئی، باغبان نے عرض کیا محصول کی برکت بادشاہ کی نیک نیت پر منحصر ہے، میرا خیال ہے کہ آپ بادشاہ ہیں، آپ نے جس وقت باغ کی آمدنی مجھ سے پوچھی، اسی وقت آپ کی نیت میں تبدیلی پیدا ہوئی اور پھل سے برکت چلی گئی، یہ سن کر سلطان متاثر ہوا، اور پھر دل سے باغ کی آمدنی کا خیال دور کر دیا، اس کے بعد پھر انار کا رس مانگا، لڑکی گئی اور جلد ہی، پیالہ بھر کر انار کا رس لے آئی، اور خوش خوش ہنستے ہوئے، سلطان کے ہاتھ میں دیدیا، سلطان نے باغبان کی فراست کی داد دی، اور پھر اپنے دل کی بات بتائی اور اس کی لڑکی کا خواستگار ہوا،

اس قصے کو بیان کر کے جہانگیر لکھتا ہے کہ قصہ صفحۂ روزگار کے لئے یادگار ہے، سچ تو یہ ہے کہ نیک نیت ہی پر انصاف کے پھل کا دارومدار ہے، جب انصاف پسند سلاطین کی نیت اور کوششیں لوگوں کی آسودگی اور رعایا کے رفاہ کے لئے وقف ہونگی، تو پھر زراعت اور باغات کی آمدنی میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا، الحمد للہ

کہ ہماری سلطنت میں کسی درخت سے کوئی محصول وصول کرنے کا رواج نہیں ہے، اور ایک حبہ بھی اس طرح کی آمدنی سے خزانہ میں داخل نہیں کیا جاتا ہے، اور نہ دیوان اعلیٰ وصول کرتا ہے، بلکہ یہ ظلم ہے کہ زمین پر جو باغ لگایا جاتا ہے، اس کا محصول معاف کردیا جائے، حق تعالیٰ اپنے اس نیاز مند کی نیت کو ہمیشہ بخیر رکھے،

چو نیت بخیر است در خرم دہے

(تزک جہانگیری ص ۵۴-۲۵۳)

(۱۲۹)

تقدیر کا کھیل جہانگیر اپنے گیارہویں سال جلوس کے شاہی دورہ میں دوپا ہیرہ کے پاس کماکھاداس میں شکار کھیل رہا تھا کہ ایک دراج زخمی ہوکر ایک جھاڑی میں گر گیا، اس نے اپنے ایک قراول کو اس کو ڈھونڈھ کر نکالنے کا حکم دیا، اسی اثنا میں ایک دوسرا دراج اڑتا نظر آیا، جہانگیر نے اس پر اپنا باز چھوڑ دیا، اتنی دیر میں قراول جھاڑی سے ڈھونڈھ کر زخمی دراج کو لے آیا، یہ جوان دراج تھا، اس لئے جہانگیر نے اس کو بچا کر رکھنے کے لئے حکم دیدیا، شاہی باز بھی دوسرا دراج پکڑ کر لے آیا تھا، وہ اس کو کھانے کے لئے دیدیا گیا، زخمی دراج کی حالت اچھی نہ تھی، اس لئے قراول نے جہانگیر سے عرض کیا کہ اس کو ذبح کرکے کھالیا جائے، ورنہ یہ مرجائیگا، یہ سن کر جہانگیر نے حکم دیا کہ اس کو ذبح کردیا جائے، جب اس کی گردن پر ذبح کرنے کے لئے تلوار رکھی گئی، تو وہ پھڑپھڑایا اور چھوٹ کر اڑ گیا، جہانگیر کے ہمراہی افسوس کرتے رہ گئے، جب یہ قافلہ آگے بڑھا، تو جلو میں ایک قراول تیر لئے ہوئے تھا، ہوا تیز چل رہی تھی، یکایک ایک کنجشک (گوریا) ہوا میں سے تیر کی نوک پر آگری، اور زخمی ہوکر مر گئی، جہانگیر ان دونوں واقعات سے

متاثر ہو کر لکھتا ہے کہ ایک پرندہ موت کے منہ سے بھاگ نکلا اور ایک موت کے منہ میں آگیا

اگر تیغ عالم بہ جنبد نہ جائے　　　　نبرد رگے تا نخواہد خدائے

(تزک جہانگیری ص ۱۷۲)

(۱۳۰)

صید افگنی کی مہارت | جہانگیر شکار کا بڑا دلدادہ تھا اور اس کو اپنی نشانہ بازی اور تفنگ اندازی پر بڑا ناز رہا، ایک بار ایک الو رات کے وقت شاہی محل پر آ بیٹھا، رات کی تاریکی میں وہ نظر نہیں آتا تھا، لیکن جہانگیر نے محض اندازے سے اس پر بندق چلائی، تو نشانہ ٹھیک بیٹھا، اور الو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑا (تزک جہانگیری ص)

ایک بار اودے پور کے رانا پرتاب سنگھ کا پوتا کنور کرن سنگھ اس کے یہاں آیا ہوا تھا، جہانگیر اس کو لے کر شیر کے شکار میں گیا، وہاں پہنچنے پر ایک شیرنی سامنے آئی ...... دونوں ایک ہتھنی پر سوار تھے، ہوا بہت تیز اور تند چل رہی تھی، ہتھنی شیرنی کو دیکھ کر سراسیمہ ہوئی، لیکن جہانگیر ان دونوں باتوں سے مطلق نہیں گھبرایا، اس نے کنور سنگھ سے کہا، شیرنی کے جس حصہ کو نشانہ بنانے کو کہو، وہیں تاک کر گولی ماروں، کنور سنگھ سے شیرنی کی آنکھ پر گولی مارنے کو کہا، جہانگیر نے تاک کر شیرنی کی آنکھ پر گولی ماری، نشانہ ٹھیک پڑا، جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت مجھ کو راجہ زادہ سے شرمندہ نہیں کیا، خود کنور سنگھ اس کی نشانہ بازی کی مہارت سے ایسا خوش اور متاثر ہوا کہ اس نے جہانگیر سے ایک بندوق کی خواہش ظاہر کی، جہانگیر نے اس کو ایک رومی بندوق عطا کی،

(تزک جہانگیری ص ۱۴۲)

جہانگیر شیر اور چیتے کی خبر پا کر بے چین ہو جاتا، اس کا شکار ضرور کرتا، وہ جب مانڈو کے شاہی دورہ پر تھا، تو اس کو معلوم ہوا کہ اس کی قیام گاہ سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک شیر نمودار ہوا ہے، اتوار کا دن تھا، اس روز وہ شکار نہیں کھیلا کرتا تھا، کیونکہ اتوار کی رات کو وہ پیدا ہوا تھا، پھر بھی وہ شیر کے نام پر اٹھ کھڑا ہوا، شیر ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا، جہانگیر نے اپنے ہاتھی پر سے شیر کا منہ آدھا کھلا ہوا دیکھا، اس نے تاک کر اپنی بندوق چلائی تو گولی اس کے منہ کے اندر جا کر اس کے جبڑے اور دماغ میں گھس گئی، اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، جہانگیر کے ساتھیوں نے شیر کو مرا ہوا دیکھا تو اس کے جسم پر کہیں گولی کا نشان نہ تھا، ان کو تعجب ہوا، لیکن جہانگیر نے ان کو اس کا منہ دیکھنے کو کہا، تو لوگوں کو اور حیرت ہوئی کہ گولی ٹھیک شیر کے حلق میں جا کر لگی تھی، (تزک جہانگیری ص ۱۸۰)

جہانگیر اپنے بارہویں سال جلوس میں مالوہ کے شاہی دورہ پر گیا تو سنگھ کے پاس اس کے قراولوں نے خبر دی ایک شیر ببر دکھائی دیا ہے. جہانگیر فوراً مستعد ہو کر اس مقام پر پہونچا، شیر ببر آدمیوں کو دیکھ کر ان پر حملہ آور ہوا، اور ان میں دس بارہ آدمیوں کو زخمی کر دیا، لیکن جہانگیر نے بڑی مستعدی اور مہارت سے اس پر بندوق چلائی، اور تین گولیوں میں اس کو ڈھیر کر دیا، (ص ۱۸۵) اس نے سب سے بڑا شیر مارا وہ وزن میں ۸ ½ ۲۰ جہانگیری من تھا، اور سر سے دم کے آخر تک لمبائی میں ۳½ درعہ اور دو تسو تھا اس کے شکوہ اور تناسب سے خوش ہو کر اس نے شاہی مصور سے اس کی تصویر بنوائی (ص ۳۰۴)

جہانگیر صید افگنی میں بڑی محنت کرتا اور کبھی منتیں مان کر جانوروں کا شکار

کرتا، ایک بار اپنے پانچویں سال جلوس کے آخر میں نیل گائے کے شکار میں گیا، تو ایک نیل گائے کو مارنے میں اس کو بڑی مشقت اٹھانی پڑی، تو اس نے دعا کی کہ اگر یہ ہاتھ آگیا، تو اس کا گوشت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی روح پر فاتحہ کرکے فقیروں کو کھلا دیا جائے گا، اور اس نے ایسا ہی کیا، اپنے باپ کے نام پر ایک مہر اور ایک روپیہ بھی خیرات کیا، وہ نیل گائے ۹ من ۳۵ سیر کی تھی، اسی موقع پر اس نے ایک دوسری نیل گائے کا پیچھا کیا تھا، کہیں ایک جگہ نہیں ٹھہرتی تھی کہ بندوق کی زد میں آجائے، جہانگیر نے کاندھے پر اپنی بندوق رکھ کر شام تک اس کا پیچھا کیا، آفتاب غروب ہونے لگا تو اس کی زبان سے نکلا کہ اگر یہ نیل گائے بھی ہاتھ آئے تو اس کو بھی خواجہ کی نذر کردوں گا، اس کا یہ کہنا تھا کہ نیل گائے زد میں آگئی، اور بندوق کی گولی سے ڈھیر ہوگئی، جہانگیر نے اس کو بھی ذبح کرا کے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے نام پر اس کا گوشت فقیروں کو کھلایا (ص ۹۳)

ایک موقع پر اس کے شکار گاہ میں ایک بھیڑیا اس کی زد میں آگیا، اس نے تاک کر اس کے کان پر ایک تیر ایسا مارا کہ تڑپ کر ہلاک ہوگیا، اس واقعہ کو بیان کرکے وہ لکھتا ہے کہ سخت کمان والے جوان ایک بھیڑیئے پر بیس بیس، تیس تیس تیر چلاتے ہیں، پھر بھی وہ ہلاک نہیں ہوتا، اپنی مہارت بیان کرتے ہوئے اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے، (تزک جہانگیری ص)

جہانگیر جب بارہ سال کا تھا تو اس نے جانوروں اور پرندوں کا شکار کرنا شروع کیا تھا، اور جب پچاس سال کا ہوا تو اس سے تائب ہوگیا، اس اثنا میں اس نے کل سترہ ہزار ایک سو ترسٹھ جانور مارے، جن کی علٰحدہ علٰحدہ تفصیل یہ ہے،

۱۔ چرندہ جانور ۳۱۰۳، شیر ۸۶، بھالو، چیتا، لومڑی اور بلاؤ وغیرہ ۹، نیل گائے ۸۸۹، مہاکہ ۳۵، ہرن، پھاڑہ، چیتل، پہاڑی بکری ۱۶۷۰، مینڈھا اور سرخ ہرن ۲۱۵، بھیڑیا ۳۶، صحرائی بھینس ۳۶، جنگلی سور ۹۰، زنگ ۲۲، پہاڑی بھیڑ ۳۲، لومڑی ۲۳، گورخر گوش ۲۳

پرندے ۱۳۹۶۴، کبوتر ۱۰۳۴۸، لگڑ جھگڑ ۵۳، عقاب قلیواج ۲۳، الو (چغد) ۳۹، قرطان ۱۲، مور شخورہ ۵، کچنک ۴۱، فاختہ ۲۵، بدم ۴، مرغابی، قاز، سارس ۱۵۰، کوا ۳۲۷۶۱،

(۳) آبی جانور۔ مگرمچھ ۱۰۔ (تزک جہانگیری ص ۱۸۴، ۱۸۵)

(۱۳۱)

علم الحیوانات سے دلچسپی جہانگیر کو علم الحیوانات سے بڑی دلچسپی رہی۔ اس لئے وہ جانوروں پرندوں، حتیٰ کہ سانپوں کے متعلق مفید معلومات حاصل کرتا، اور ان کو اپنی تزک میں قلمبند کرتا تھا۔ وہ اپنے پہلے سال جلوس میں لاہور کے پاس چندالہ میں شکار کرنے کو گیا تو لکھتا ہے۔

چندالہ کے گاؤں کے پاس جہاں کہ ایک منارہ بنا ہوا ہے، ایک کالے ہرن کے پیٹ میں گولی ماری، جب وہ زخمی ہوا، تو اس سے ایک ایسی آواز نکلی کہ مستی کے عالم میں ہرن سے ایسی آواز سنائی دیتی ہے، لیکن اور موقع پر ایسی آواز سنائی نہیں جاتی ہے، بہت سے پرانے شکاری میرے ساتھ تھے، انھوں نے بھی تعجب کا اظہار کیا، کہ ایسی آواز انھوں نے اور نہ ان کے باپ دادا نے ہرن کی غیر مستی کے موقع پر سنی تھی، یہ آواز عجیب و غریب تھی، اس لئے لکھ دی گئی، پہاڑی بکری کا گوشت اور جانوروں کے مقابلہ میں زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کی کھال بہت بدبودار ہوتی ہے جو دباغت سے بھی دور نہیں ہوتی، مگر اس کے گوشت میں بدبو نہیں ہوتی، پہاڑی بکروں میں

جو سب سے بڑا بکرا تھا، میں نے اس کو تولنے کا حکم دیا، تو وہ وزن میں دو من ۲۴ سیر مطابق ۱۷ من ولایتی (یعنی ایرانی) نکلا، میں نے ایک بڑے مینڈھے ... ... کو بھی تولنے کا حکم دیا، یہ وزن میں دو من تین سیر اکبری مطابق سترہ من ولایتی (ایرانی) نکلا، ایک گورخر کو شکار کیا، تو اس کا وزن نو من سولہ سیر مطابق ۶۷ ولایتی من ہوا، میں نے شکاریوں سے بار بار سنا تھا کہ پہاڑی مینڈھے کے سینگ کے اندر ایک کیڑا ہوتا ہے، جو خاص خاص وقت میں اس طرح حرکت کرتا ہے، کہ اس کی کھجلاہٹ سے مینڈھا پریشان ہو کر کسی مینڈھے سے لڑنے لگتا ہے اور کوئی مینڈھا نہیں ملتا ہے، تو وہ کسی درخت یا چٹان سے ٹکریں مارنے لگتا ہے، جس کے بعد اس کی کھجلاہٹ جاتی رہتی ہے، میں نے جستجو کی تو پتہ چلا کہ مادہ مینڈھے کی سینگ میں بھی ایسا کیڑا ہوتا ہے، لیکن وہ کسی سے نہیں لڑتی، اس سے ظاہر ہے کہ جو بات مشہور ہے وہ صحیح نہیں، گورخر کا گوشت حلال ہوتا ہے، اور اکثر لوگ اس کو کھاتے ہیں، مگر میری رغبت اسکی طرف نہیں ہوتی ہے، (ص ۴۱)

جہانگیر کے پاس ایک ہرن تھا، جس کو وہ اس کی بہت سی خوبیوں کی بنا پر بہت محبوب رکھتا، اس کے بیان کے مطابق وہ خانگی ہرنوں کے ساتھ لڑنے اور جنگلی ہرنوں کے شکار کرنے میں بے نظیر تھا، اس نے اس کا نام ہنسراج رکھا، وہ مر گیا تو اس کو بڑا دکھ ہوا، اس کو دفن کرایا، اور اس کے اوپر ایک منار تعمیر کرایا، جس پر اس زمانہ کے خوش نویسوں کے استاد، محمد حسین کشمیری نے فارسی میں ایک کتبہ لکھوایا جس کا ترجمہ یہ ہے،

اس دلکش مقام میں ایک ہرن جہاندار خدا آگاہ نور الدین جہانگیر کے دام میں پھنسا ایک ماہ کے اندر اس کی صحرائیت کی وحشت جاتی رہی، اور وہ آہوان خاصہ کا سردار بن گیا"

جہانگیر نے اس ہرن کی محبت میں یہ حکم دے رکھا تھا کہ اس جگہ کوئی ہرن کا شکار

نہ کرے، اگر ہندو شکار کریں گے، تو وہ گویا گائے کا گوشت کھائیں گے، اور اگر مسلمان شکار کریں گے تو وہ گویا سور کا گوشت کھائیں گے، اس نے اس کی قبر ہرن کی شکل کی بنائی تھی (تزک جہانگیری ص ۵۴)

جہانگیر کے تیسرے سال جلوس میں سراندیپ کے ایک درویش نے اس کو ایک جانور پیش کیا، جو دیونک کہلاتا تھا، وہ لکھتا ہے کہ اس کا منھ ایک بڑے چمگادڑ کی طرح تھا، لیکن مجموعی طور پر ایک بندر (میمون) کی طرح معلوم ہوتا، اس کے دم نہیں تھی اس کی حرکت اس دم کے بغیر سیاہ بندر کی طرح ہوتی جو بن مانس کہلاتا ہے، اس کا جسم بندر کے دو تین مہینے کے بچے کے برابر تھا، اس کو درویش نے پانچ سال تک اپنے ساتھ برابر رکھا تھا، ایسا معلوم ہوا کہ یہ زیادہ بڑا نہ ہو سکے گا، اس کی غذا دودھ تھی، وہ کیلا بھی کھاتا، مجھ کو یہ عجیب و غریب معلوم ہوا، اس لئے میں نے اپنے مصوروں کو اس کی تصویر اس کی مختلف حرکتوں کے ساتھ بنانے کو کہا، وہ بہت کریہہ معلوم ہوتا تھا، (ص ۶۹)

اسی سال اس نے ایک ہرن کا دودھ دوہنا شروع کیا، تو وہ ہر روز چار سیر دودھ دیتی رہی، حالانکہ اس وقت تک کسی نے ہرنی کا دودھ دوہنا نہ سنا تھا اور نہ دیکھا تھا، جہانگیر کو اس تجربے سے بڑا تعجب ہوا، وہ لکھتا ہے کہ ہرنی کا دودھ بھینس اور گائے کے دودھ کی طرح ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کا دودھ دمہ کے لئے مفید ہوتا ہے (ص ۷۱)

وہ اپنے ساتویں سال جلوس میں ایک موقع پر لکھتا ہے:

مقرب خاں ...... گوا سے آیا تو اپنے ساتھ نادر چیزیں لایا، اور ایک ایک

کر کے پیش کیا، ہر قسم کی چیزیں اور تحفے تھے، ان میں ایسے عجیب و غریب جانور بھی تھے جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے، بلکہ ان کا نام بھی نہیں سنا تھا، فردوس مکانی (یعنی بابر) نے اپنے "واقعات" میں جانوروں کی صورت و شکل بیان کی ہے، مگر ان کی تصویریں نہیں بنوائی تھیں، مجھکو یہ جانور بہت ہی عجیب معلوم ہوئے، میں نے ان کا ذکر بھی کیا، اور اپنے جہانگیر نامہ میں ان کی تصویریں بھی مصوروں سے بنانے کو کہا، تاکہ سننے کے بعد جو حیرت ہوتی ہے وہ دیکھنے کے بعد زیادہ ہو جائے، ان میں سے ایک جانور جثہ میں تو مورنی کے برابر تھا، لیکن مور سے چھوٹا نظر آتا تھا، جب یہ مستی میں ہوتا تو یہ مور ہی کی طرح اپنے پر کو پھیلا دیتا، اور ناچنے لگتا، اس کی چونچ اور اس کا پاؤں مرغ کی طرح تھا، اس کے پاؤں گردن اور حلقوم کے پاس ہر لمحہ رنگ بدل جاتا، مستی کی حالت میں بالکل سرخ ہو جاتا، ایسا معلوم ہوتا کہ وہ مرجان یعنی لال موتی سے آراستہ ہو گیا ہے، پھر بالکل سفید ہو جاتا، اور پھر اس پر فیروزی رنگ آ جاتا، گرگٹ ہی کی طرح اس کا رنگ بدلتا رہتا، اس کے سر پر گوشت کے دو ٹکڑے تھے، جو مرغ کے تاج کی طرح معلوم ہوتے، عجیب چیز یہ دیکھنے میں آئی کہ جب یہ مستی میں ہوتا تو گوشت کا یہ ٹکڑا ہاتھی کے سونڈ کی طرح اس کے سر کے اوپر سے ایک بالشت تک نیچے لٹک جاتا، اور جب اس کو وہ اٹھاتا تو یہ اس کے سر پر کرگدن (دریائی گینڈے) کی سینگ کی طرح دکھائی دیتا جو دو انگل کے برابر ہوتا۔ اس کی آنکھوں کے پاس کا رنگ فیروزی تھا، جو بالکل نہیں بدلتا، اس کے پر مور کے پروں کے برخلاف مختلف رنگ کے نظر آتے،

تحفے میں ایک عجیب و غریب بندر بھی تھا، اس کے ہاتھ پاؤں، کان اور سر تو بالکل بندر کی طرح تھے، لیکن اس کا منہ لومڑی کی طرح تھا، اس کی آنکھوں کا رنگ باز کی آنکھوں

کی طرح تھا، گو اس کی آنکھیں باز کی آنکھوں سے بڑی تھیں، اس کے سر سے اس کی دم کے آخر تک کی لمبائی ایک درع تھی، یہ بندر سے تو قد میں چھوٹا لیکن لومڑی سے بڑا تھا، اس کے بال بھیڑی کے بال کی طرح تھے البتہ اس کا رنگ خاکی تھا، وہ اپنے بن گوش سے اپنی ٹھڈی تک شراب کی طرح سرخ تھا، اسکی دم عام بندروں کے برخلاف دو تین انگلی تو چوڑی اور ایک درع لمبی تھی، بلی کی طرح اسکی دم لٹکتی رہتی، کبھی کبھی اس کے منہ سے ہرنی کی طرح آواز نکلتی رہتی، غرضیکہ عجیب و غریب جانور ہے،

جنگلی پرندوں میں تدرو کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ گھر میں بچہ نہیں دیتی، میرے والد بزرگوار کے زمانہ میں اس کی کوشش کی گئی، کہ وہ انڈا اور بچہ دے، لیکن بے فائدہ ثابت ہوئی، میں نے حکم دیا کہ اس کے چند مادہ اور نر ایک جگہ رکھے جائیں، دو سال کے اندر اندر ساٹھ ستر بچے پیدا ہوئے، جن میں پچاس ساٹھ بڑے بھی ہوئے، جس کسی نے یہ سنا اس کو تعجب ہوا، ولایت یعنی ایران میں بھی اس کی بہت کوشش کی گئی تھی، لیکن وہاں ان پرندوں نے انڈے اور بچے نہیں دیئے، (ص ۱۰۶)

جہانگیر نے اسی قسم کا تجربہ چیتوں اور شیروں کے ساتھ بھی کیا، وہ اپنے آٹھویں سال جلوس میں لکھتا ہے،

مشہور ہے کہ چیتے غیر جگہ پر اپنے مادہ کے ساتھ جفتی نہیں کرتے، میرے والد بزرگوار نے ایک مدت تک ایک ہزار چیتے جمع کر رکھے تھے، ان کی خواہش تھی، ان سے بچے پیدا ہوتے، مگر ایسا نہ ہوا، انھوں نے باغوں میں نر اور مادہ چیتوں سے تجربہ کرایا، لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا، میرے زمانہ میں ایک نر چیتا ایک مادہ کے پاس گیا، اور ڈھائی مہینے کے بعد اس کے تین بچے پیدا ہوئے، اور وہ بڑے ہوگئے. لوگوں کو یہ عجیب معلوم

اسی طرح یہ بھی مشہور ہے کہ شیر بھی اسیری میں جفتی نہیں کرتا ہے، اگر میرے عہد دولت میں جنگلی جانوروں میں سے وحشت جاتی رہی ہے، اسی لئے شیر بھی اس طرح رام ہو گئے ہیں کہ ان کا گلہ طوق و زنجیر کے بغیر آدمیوں میں گھومتا رہتا ہے، اور کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا ہے، اور وہ بھی آدمی کو دیکھ کر وحشت نہیں کھاتے، اور نہ بھاگتے ہیں، ایک شیرنی بھی حاملہ ہوئی، اور تین مہینے کے بعد اس سے تین بچے پیدا ہوئے، اس سے پہلے یہ کبھی نہیں ہوا تھا کہ جنگلی شیر نے گرفتار ہونے کے بعد جفتی کی، عقلمندوں سے سنا گیا ہے کہ شیرنی دودھ آنکھ کی روشنی کے لئے بہت مفید ہے، میں نے بہت کوشش کی کہ شیرنی کے پستان سے دودھ دوہا جائے، لیکن کچھ میسر نہ ہو سکا، میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ جانور غضبناک ہے، اس کے پستان میں دودھ اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب اس میں بچے کو دودھ پلاتے وقت محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے بچے دودھ پینے لگتے ہیں تو اس کو پھر غصہ آجاتا ہے، اور اس کا دودھ خشک ہو جاتا ہے' (ص ۱۸۰)

جہانگیر کو جانوروں کے متعلق جہاں اور باتیں معلوم ہوتی رہتی تھیں، وہاں اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ باؤلے کتے کے کاٹنے سے ہاتھی جیسا بڑا جانور بھی مر سکتا ہے، وہ لکھتا ہے،

یہ تو میں جانتا تھا کہ دیوانے کتے کے کاٹنے سے جانور اور ہر جاندار مر جاتا ہے، لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ ہاتھی پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے، لیکن میرے زمانہ میں اس کا بھی تجربہ ہو گیا' ایک رات ایک باؤلا کتا وہاں آگیا، جہاں گجپتی نام کا ایک ہاتھی بندھا ہوا تھا وہاں ایک ہتھنی بھی تھی، کتے نے آکر ہتھنی کے پاؤں میں کاٹ لیا، وہ چلائی تو فیل بان دوڑے

ہوئے اس کے پاس آئے، کتا بھاگ کر ایک جھاڑی میں چھپ گیا، کچھ دیر کے بعد وہ پھر آیا، اور اس نے میرے خاص ہاتھی کو اگلے پاؤں میں کاٹا، ہاتھی نے اسکو مار ڈالا

اس واقعہ کے ایک مہینہ پانچ روز کے بعد ایک روز ہوا ابر آلود تھی، بجلی کی کڑک کی آواز ہتھنی کے کان میں پہونچی، تو وہ کھا رہی تھی، لیکن یکایک چلانے لگی، اس کے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا، یہ زمین پر گر پڑی، پھر ہاتھی سات دن تک اس کے منھ سے پانی جاری رہا، یکایک چلانے لگی، اور بڑی تکلیف میں ہوگئی، فیلبانوں نے اس کا بہت علاج کیا، کوئی نفع نہ ہوا، آٹھویں روز وہ گر کر مر گئی، اس کے مرنے کے ایک مہینہ بعد فیل بان دوسرے بڑے ہاتھی کو جنگل میں ایک ندی کے کنارے لے گئے، وہاں بادل آیا اور بجلی کڑکنے لگی، ہاتھی پر لرزہ طاری ہوگیا، اور زمین پر بیٹھ گیا، فیل بان اسکو بڑی مشکل سے ہاتھی خانہ میں لائے، اور جس مدت میں اور جس طریقہ سے ہتھنی مری تھی، یہ ہاتھی بھی مر گیا، اس سے بڑی حیرت ہوئی، کہ اتنے بڑے جانور کو ایک کمزور جانور کاٹے اور وہ اتنا متاثر ہو جائے، (ص ۱۲۰)

جہانگیر نے اس کا بھی تجربہ کیا کہ ہاتھی کا بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں کتنے دنوں تک رہتا ہے، اس کو معلوم ہوا کہ مادہ اٹھارہ مہینے اور نر انیس مہینے میں پیدا ہوتا ہے، انسان کے بچے تو سر کے بل پیدا ہوتے ہیں، لیکن ہاتھی کے بچے کی پیدائش کے وقت پہلے پاؤں ظاہر ہوتے ہیں، ایک بار ہاتھی کا بچہ جہانگیر کے سامنے پیدا ہوا، پہلے اس کی ماں نے اپنے پاؤں سے اس کے سر پر خاک ڈالی، پھر اس سے اپنی محبت کا اظہار کرنے لگی، بچہ ایک لمحہ تو زمین

پر پڑا رہا، پھر اٹھ کر اپنی ماں کا دودھ پینے لگا،، (ص ۱۳۱)

ہندوستان کے مغل بادشاہوں کے زمانہ میں ہاتھی کی بڑی اہمیت تھی، وہ اس سے اور مفید کاموں کے لینے کے علاوہ میدان جنگ اور محاصرہ کے موقع پر بھی بڑی خوبی سے اسکو استعمال کرتے رہے، اسی لئے اس کی بڑی قدر کرتے، جہانگیر کو بھی اس سے بڑی دلچسپی رہی، وہ اپنے بدن پر پانی برابر چھڑکتا رہتا ہے، جہانگیر کو خیال ہوا کہ سردی کے موسم میں اگر اس کے لئے سرگرم پانی مہیا کیا جائے، تو اس کو آرام ملے گا، اس لئے اسکے حکم سے سرگرم پانی تیار کیا گیا، ہاتھی نے اس کو اپنے سونڈ میں لیکر بدن پر چھڑکنا شروع کیا، تو اس کو آسودگی محسوس ہوئی، دوسرے دن اس کو ٹھنڈا پانی دیا گیا، اور جب اس نے اس کو بدن پر چھڑکا تو اس پر رعشہ اور لرزہ دکھائی دیا، اس طرح یہ چلا کہ ٹھنڈے موسم میں وہ گرم پانی سے آسودہ اور محظوظ ہوتا ہے، یہ جدت جہانگیر کی تھی،، (ص ۵-۲۰۴)

جہانگیر کے نویں سال جلوس میں اس کے پاس زیرباد سے ایک عجیب وغریب جانور تحفہ کے طور پر بھیجا گیا، اس کے بدن کا رنگ طوطے کی طرح تھا، لیکن جثہ میں اس سے چھوٹا نظر آیا، اس کی خصوصیت یہ تھی کہ جس درخت کی شاخ پر بیٹھتا یا جس پر اس کو بٹھا دیا جاتا تو رات کو وہ الٹا لٹک جاتا، اور کچھ زمزمہ کرتا رہتا، جب دن ہوتا تو وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جاتا، جہانگیر لکھتا ہے، کہ کہا جاتا ہے کہ جانور بھی عبادت کرتے ہیں، لیکن ظن غالب ہے، کہ اس جانور کی فطری عادت یہی ہے، یہ پانی نہیں پیتا تھا، پانی جانوروں کیلئے ضروری ہے، مگر اس کے لئے یہ زہر ہے، (ص ۱۳۴)

جہانگیر اپنے گیارہویں سال جلوس میں اجمیر سے زیارت کے بعد دیونگاؤں

میں مقیم ہوا تو اس کا خیمہ و خرگاہ ایک تال کے پاس نصب کیا گیا، وہ جس روز وہاں پہنچا اسی کی رات اس نے دو سارس کی دردناک آواز سنی، اس کو ایسا معلوم ہوا کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور وہ فریاد کر رہے ہیں، وہ کسی دہشت اور وحشت کے بغیر بڑھتے چلے گئے، جہانگیر ان کی آواز سن کر متاثر ہوا، اور اس کو خیال ہوا کہ ان پر ضرور ظلم کیا گیا، اس نے تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ اس کا ایک خواجہ سرا سارس کے دو بچوں کو تال کے کنارے سے پکڑ لایا ہے، جہانگیر نے ان بچوں کو اپنے حضور میں لانے کا حکم دیا، سارس نے اپنے بچوں کی آواز جیسے ہی سنی، ان کے پاس بے تابانہ پہونچ گئے، ان پر اپنا سر رکھ دیا، ان کو خیال ہوا کہ ان بچوں کو کچھ کھانے کو نہیں ملا ہے، اس لئے دونوں نے اپنا منھ ان بچوں کے منھ میں ڈال دیا، اور ان کو کھلانا شروع کر دیا، اور ان کی ہر طرح غم خواری کی، پھر دونوں نے ان کو اپنے بیچ میں کر لیا، اور اپنے بازو پھیلا کر بڑی محبت سے ان کو اپنے آشیانے میں لے گئے۔ (ص ۱۷۰)

جہانگیر کو اس کی جستجو بھی رہی کہ شیر ببر اتنا بہادر کیوں ہوتا ہے، ایک بار اس نے اپنے شاہی دورہ میں گیری کے مقام پر بندوق کی ایک زد میں ایک شیر ببر کو مارا تو اس نے حکم دیا کہ اس کا پیٹ چیر کر دیکھا جائے کہ اس کا پتہ اور جگر دونوں کیسے ہوتے ہیں، پیٹ چیرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا پتہ جگر کے باہر ہونے کے بجائے اندر ہوتا ہے، جہانگیر کو خیال ہوا کہ اس کی بہادری کی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ (ص ۱۷۴)

اسی سفر میں قاسم کھیڑہ نامی ایک گاؤں میں جہانگیر نے ایک سفید جانور کا شکار کیا، وہ لکھتا ہے کہ اس کی چار سینگیں تھیں، دو تو اس کی آنکھوں کے پاس تھیں، جو دو انگشت بلند تھیں اور چار انگل اور بقیہ ... انگل کے برابر دو سینگیں گردن کے پیچھے

یعنی یہ جانور دو دھاریہ کہلاتا ہے، مادہ کی سینگ نہیں ہوتی، جہانگیر لکھتا ہے کہ اس قسم کے ہرن کے بارہ میں مشہور تھا کہ اس کے پتہ نہیں ہوتا ہے لیکن جب اس کا پیٹ چاک کیا گیا تو اس میں پتہ موجود تھا (ص ۱۷۴)

بھیڑیا بھی بہادر ہوتا ہے، گو اس کی مکاری اور چالاکی بھی مشہور ہے، جہانگیر کے ایک امیر میرزا رستم نے ایک بھیڑیا کا شکار کیا، تو جہانگیر نے حکم دیا کہ اس کا پیٹ چاک کر کے دیکھا جائے کہ اس کا پتہ کہاں پر رہتا ہے، پیٹ چاک کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ شیر ببر کی طرح اسکا پتہ بھی جگر کے اندر ہوتا ہے، (ص ۱۸۰)

جہانگیر آبی جانوروں کا بھی شکار کیا کرتا تھا، ان کی بھی خصوصیات کی تلاش میں رہتا، وہ مگرمچھ بھی مارا کرتا، اس کو بڑے سے بڑے مگرمچھ کی تلاش رہتی، اس نے ایک مگرمچھ کی پیمایش کرائی تو وہ آٹھ گز لمبا اور ایک گز چوڑا تھا (ص ۲۰۴)

جہانگیر کو روہو مچھلی زیادہ پسند تھی، احمدآباد میں اس کے پاس ایک مچھلی لائی گئی جو عربیت کہلاتی تھی، وہاں کے لوگ اسے بہ کھانا بہت پسند کرتے، مگر جہانگیر لکھتا ہے کہ جو روہو میں لذت ہوتی ہے، اس میں نہیں پائی گئی، (ص ۲۰۹)

ایک بار وہ مچھلی کا شکار کھیل رہا تھا، تو جال میں ایک مچھلی پھنسی جو سنگ ماہی کہلاتی تھی، اس کے حکم سے تولی گئی تو اس کا وزن ساڑھے چھ سیر نکلا، اس کا پیٹ بڑا بھاری تھا، جب چاک کیا گیا تو اس میں سے دو سیر کی مچھلی نکلی، جو وہ نگل گئی تھی،

وہ اپنے بارہویں سال جلوس کے شاہی دورہ میں احمدآباد سے چل کر پرگنہ بھرا کے موضع بدروالہ میں مقیم ہوا تو وہاں کوئل کی آواز سن کر متاثر ہوا، اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ یہ پرندہ کوا کی طرح ہوتا ہے، گو جثہ میں چھوٹا ہوتا ہے، نر کی آنکھیں سیاہ ہوتی ہیں، لیکن

کوئل کی آنکھیں سرخ ہوتی ہیں، مادہ کے پروں پر سفید تل ہوتے ہیں۔ نر بالکل سیاہ ہوتا ہے نر کی آواز مادہ کے برخلاف بہت ہی بھلی ہوتی ہے، درحقیقت یہ ہندوستان کا بلبل ہے، بلبل تو بہار کے موسم میں مست ہو کر شور کرتا ہے، لیکن کوئل کا شور برسات کے موسم میں سننے میں آتا ہے، ہندوستان کی بہار دراصل برسات ہی ہے، اس کا نالہ بہت ہی موثر اور دلنشین ہوا کرتا ہے، آم کے موسم میں یہ مست رہتا ہے، جب وہ اکثر آم کے درخت پر بیٹھ جاتا ہے، اور اس کے رنگ و بو سے محظوظ ہوتا رہتا ہے، اس کی عجیب بات یہ ہے کہ اس کی مادہ اپنے انڈے سے خود بچہ نہیں پیدا کرتی، جب یہ انڈا دینے کو ہوتی ہے، تو یہ کوے کے گھونسلے کو خالی پاکر وہاں چلی جاتی ہے، اور اس کے انڈے کو اپنے چونچ سے توڑ کر باہر گرا دیتی ہے، اور اس کی جگہ پر اپنا انڈا دے کر اڑ جاتی ہے، کوا اس کو اپنا انڈا سمجھ کر سیتا ہے، جس کے بعد کوئل کا بچہ پیدا ہو جاتا ہے، آنا لکھ کر جہانگیر کہتا ہے کہ اس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے الہ آباد میں دیکھا تھا (ص ۲۰۰)

سارس کے بارہ میں مشہور ہے، کہ وہ کسی کے سامنے اپنی مادہ سے جفتی نہیں کرتا، جہانگیر نے سارس کا ایک جوڑا اپنے یہاں پالا تھا، اور ان کا نام لیلیٰ مجنوں رکھا تھا، ان دونوں نے ان کے سامنے جفتی کی، وہ لکھتا ہے، یہ کلنگ کی طرح ہوتا ہے، گو اس سے بڑا ہوتا ہے، اس کے سر کے اوپر پر نہیں ہوتا، اس کے سر کی ہڈی کے اوپر چمڑا ہوتا ہے، اس کی آنکھوں سے گردن تک چھ انگل رنگ سرخ ہوتا ہے، زیادہ تر جنگل میں ایک ایک جوڑا ساتھ دکھائی دیتا ہے، لیکن وہ جھنڈ میں بھی ساتھ رہا کرتے ہیں ان کے جوڑوں کی محبت و الفت مشہور ہے، اس کے بعد جہانگیر لکھتا ہے، کہ اس کے دربار کا ایک خانہ زاد قیام خاں شکار و قراولی میں بڑا ماہر تھا، اس نے اس کو بتایا کہ وہ ایک دن شکار میں گیا تھا، ایک سارس کو بیٹھا دیکھا، جب وہ اس کے نزدیک پہونچا تو وہ اپنی جگہ سے بھاگا۔ لیکن وہ کمزور نظر آیا،

وہ جگہ پر آیا جہاں سارس بیٹھا تھا، تو کچھ ہڈیاں اور کچھ پر دیکھے، ان ہی پر وہ سارس بیٹھا تھا، جس نے وہاں پر جال ڈال دیا، اور خود ایک کنارے جا کر بیٹھ گیا، سارس آیا اور اپنی جگہ بیٹھنے کی کوشش کی جہاں وہ بیٹھا تھا، اس کا پاؤں جال میں پھنس گیا، اس نے یعنی قیام خاں نے آگے بڑھ کر اس کو پکڑ لیا، وہ بہت ہلکا پھلکا معلوم ہوا، اس کے سینے اور پیٹ پر کوئی پر نہیں رہ گیا تھا، اس کا گوشت بھی اس کے پوست سے جدا ہو گیا تھا، اور اس میں کیڑے پڑ گئے تھے، اس کے بدن میں گوشت مطلق نہ تھا، بلکہ وہ چند ہڈیوں کے ساتھ محض ایک مشت پر رہ گیا تھا، یہ معلوم ہوا کہ اس کا جوڑا مر گیا تھا، اور وہ اس کے مرنے کے دن سے وہیں بیٹھا تھا،

بگداخت من از ہجر دل افروز مرا　　افروخت چو شمع آں بہ سوز مرا
روز طربم سیاہ شدن چوں شب غم　　نشاند فراق تو بدیں روز مرا (۲۲۶)

سارس کے بچہ پیدا ہوتا ہے، تو نر اس کے پاؤں کو اپنی چونچ سے پکڑ کر الٹا لٹکائے رہتا ہے، یہ دیکھ کر جہانگیر کو خیال ہوا کہ وہ بے رحمی سے ایسا کرتا ہے، ایک روز اس نے تجربہ کی خاطر نر سے بچہ کو علیحدہ کر دیا، اور اس کو بچہ کے پاس آنے سے روک دیا، پھر کچھ دیر کے بعد بچہ کو اس کے پاس کر دیا تاکہ اس کی محبت اور بے رحمی کا امتحان ہو جائے، بچہ اس کے پاس پہونچا، تو وہ بڑی محبت سے پیش آیا جس سے معلوم ہوا کہ ماں سے کم محبت اس کو نہیں ہوتی ہے، چونچ سے بچے کے پاؤں کو پکڑ کر لٹکانا محض محبت کا ایک تقاضا ہے، (ص ۲۴۷)

جہانگیر کے پاس دو مارخور بکرے تھے، لیکن اس کو اس نسل کی کوئی بکری کہیں نہیں ملی، اس کے پاس بربری بکریاں تھیں جو عرب سے لائی گئی تھیں، اس نے ان میں سے چھ سات بکریوں کو مارخور بکرے سے جفت کرایا تو چھ مہینے کے بعد

ان کے ایک ایک بچہ پیدا ہوا، جو سب کے سب بہت ہی خوبصورت اور خوش رنگ تھے، ان میں سے جو سرخ تھے وہ جہانگیر کو بہت پسند تھے، وہ ان کی شوخیوں خوش فعلیوں کو دیکھتا اور بے حد خوش ہوتا، ان کو اپنے پاس برابر رکھتا، اور ان کا علٰحدہ علٰحدہ نام بھی رکھا، اس کی خواہش ہوئی کہ اس کے درباری مصور ان کی اچھل کود کی صحیح صحیح تصویریں کھینچ دیں، لیکن اس کو افسوس رہا کہ وہ ایسا نہ کر سکے (ص۲۶۳)

ایک بار شاہ ایران نے تحفہ میں جہانگیر کو ایک باز (شنقار) بھیجا، جو میر شکار کی لاپروائی سے راستہ ہی میں ایک بلی سے زخمی ہو گیا، اور جب جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ مر چکا تھا، جہانگیر اس کی خوبصورتی دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا، اس کے ہر ہر پر پر ایک سیاہ تل تھا، جس سے وہ بہت خوشنما معلوم ہوتا تھا، جہانگیر نے اپنے دربار کے مصور نادر العصر منصور کو حکم دیا کہ اس کی تصویر اس کے حسن و رنگ کے ساتھ کھینچ کر محفوظ کرلے (ص ۲۸۴)

جہانگیر نے اپنے باپ اکبر سے سن رکھا تھا کہ ہرن کو چیتا پکڑ لے اور اپنے دانتوں اور پنجوں سے زخمی نہ بھی کرے، تب بھی وہ زندہ نہیں رہتا ہے، کچھ دنوں کے بعد مر جاتا ہے، وہ اپنے چودھویں سال جلوس میں دہلی کے پاس پالم میں چیتے ملکا شکار کھیلنے گیا، تو وہاں اس نے بعض قوی الجثہ ہرنوں کو چھوڑ دیا مگر قبل اسکے کہ چیتا ان کو اپنے دانتوں اور پنجوں سے زخمی کرے، ان سے چھڑا لئے گئے، ایک دن اور ایک رات تو وہ ٹھیک رہے، دوسرے دن ان کی حالت میں تبدیلی شروع ہوئی، وہ پاؤں ٹیکنے لگے، جیسے کوئی نشہ میں ہو، وہ کسی وجہ کے بغیر زمین پر گر جاتے، پھر اٹھتے، ان کو تریاق فاروقی اور دوسری دوائیں بھی دی گئیں

لیکن کچھ اثر نہ ہوا، اور جب ایک گھڑی گذری تو وہ مر گئے (ص ۸۴-۸۵)

اس نے اس سال جرز اور توغدری کا شکار کیا، تو ان کو وزن بھی کرایا، جرز تو ۲½ اور ۲¼ جہانگیری ہوئے، توغدری ان سے ½ وزن میں زیادہ ہوا (ص ۲۸۶)

اسی سال بھکر سے اس کے پاس سید بایزید نے ایک بہت خوبصورت رنگ بھیجا، جو بکری ہی کی ایک قسم تھی، اس کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا، اس نے مارخور اور پہاڑی بھیڑ تو دیکھی تھی، لیکن رنگ نہیں دیکھا تھا، اس نے اس کو بربری بکریوں کے ساتھ رکھدیا تھا تاکہ اس کی نسل تیار ہو، لیکن اس میں اس کو کامیابی نہیں ہوئی (ص ۲۸۷)

وہ شکار کرنے کے بعد جو جانور یا پرندہ کھانے کے لائق ہوتا اس کو اپنے سامنے ذبح کرا کے اس کے پیٹ کی آلائشوں کو دیکھتا، اگر اس کے اندر کوئی ایسی چیز ہوتی جس سے اس کو کراہت آجاتی تو وہ پھر اس کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتا۔ وہ آبی پرندوں میں سونا کا گوشت کھایا کرتا تھا، لیکن وہ اپنے سولہویں سال جلوس میں اجمیر کے قیام میں سونہ کو بعض مکروہ کیڑے کھاتے ہوئے دیکھا تو اس روز سے اس کا کھانا چھوڑ دیا، اسی موقع پر اس نے ایک بط شکار کیا، ذبح کر کے اسکا پیٹ چاک کیا گیا تو ایک چھوٹی مچھلی نکلی، پھر اس میں سے اتنا بڑا ابقہ نکلا، کہ اس سے پہلے دیکھا نہیں گیا تھا، اس روز سے جہانگیر کی رغبت اس قسم کی بط سے بھی جاتی رہی، اس کو اس کے ایک امیر خان عالم نے کہا کہ عقاب سفید کا گوشت لذیذ اور نرم ہوتا ہے، یہ سننے کے بعد اس نے ایک عقاب سفید فراہم کرنے کا حکم دیا، ذبح کرنے کے بعد اس کا پیٹ چاک کیا گیا تو اس کے پیٹ سے بھی دو لقے نکلے، جہانگیر کو اس سے بھی کراہت آگئی، (ص ۳۴۴)

اسی سال جہانگیر کو سرہند میں جلوار کے ایک زمیندار بسوے نے ایک پرندہ بھیجا

جو جان بہن کہلاتا تھا، اس سلسلہ میں جہانگیر نے اور پرندوں سے متعلق مفید معلومات فراہم کئے ہیں، وہ لکھتا ہے،

جان بہن کی دم فرقاول کی دم سے (ایک قسم کا تیتر) ملتی جلتی ہے، فرقاول کو تدرو بھی کہتے ہیں، جان بہن کا رنگ مادہ فرقاول کی طرح ہوتا ہے، لیکن اس سے کچھ بڑا ہوتا ہے، اس کی آنکھوں کا حلقہ لال ہوتا ہے، گو تدرو کی آنکھیں سفید ہوتی ہیں، بعض نے بتایا کہ یہ پرندہ برفستانی پہاڑ پر رہتا ہے، اس کی غذا گھاس اور دوسری سبز چیزیں ہوتی ہیں، میں نے اپنے یہاں تدرو پال رکھے ہیں، ان کے اور ان کے بچوں کا گوشت کھایا ہے، انکا گوشت جان بہن کے گوشت سے کوئی نسبت نہیں رکھتا، جان بہن کا گوشت ... زیادہ لذیذ ہوتا ہے، اس کوہستانی علاقہ میں ایک پرندہ نظر آیا جو بھول پکارا کہلاتا ہے، کشمیر میں یہ پوتلو کے نام سے مشہور ہے، یہ مورنی سے نیم سوائی چھوٹا ہوتا ہے، اس کی پیٹھ دم اور دونوں بازو سیاہ ہوتے ہیں، جن پر سفید تل ہوتا ہے، یہ چوزے سے مشابہ ہے، اس کے پیٹ سے سینہ تک تو سفید تل ہوتے ہیں، لیکن بعض تل سرخ بھی ہوتا ہے، اس کے بازو کے پر آگ کے مانند سرخ ہوتے ہیں، جو دیکھنے میں چمکیلے اور خوبصورت بھی معلوم ہونے لگے، ان کے بیچ اسکے آخری حصہ کا رنگ بہت ہی چمکیلا سیاہ ہوتا ہے، اسکے سر کے اوپر دو سینگیں ہوتی ہیں، اس کے کان کا رنگ فیروزی ہوتا ہے، اس کی آنکھوں اور منھ کے حلقہ کی کھال سرخ ہوتی ہے، اس کے حلقوم کی کھال ہاتھ کی دو ہتھیلیوں کے برابر ہوتی ہے، اسکے بیچ کی کھال ایک ہاتھ کے برابر بنفشہ کے رنگ کی ہوتی ہے، جس میں فیروزی رنگ کے تل ہوتے ہیں، اسکے گرد نیلے رنگ کی ایک دھاری ہوتی ہے، جس میں آٹھ کلنیاں ہوتی ہیں، نیلے رنگ کی دھاری میں دو دو انگل شفتالو کی طرح سرخی بھی ہوتی ہے، اسکی گردن کے چاروں طرف بھی نیلے

رنگ کی دھاری ہوتی ہے، اسکے پاؤں سرخ ہوتے ہیں، یہ تولا گیا تو اس کا وزن ۱۵۲ تولے ہوئے، جب اس کو ہلاک کر کے اس کے پیٹ کو صاف کیا گیا تو یہ وزن میں ۱۳۹ تولے ہوا، ایک اور مرغ زریں دیکھنے میں آیا جس کو لاہور میں شن اور کشمیر میں پوط کہتے ہیں، اس کا رنگ مور کے سینہ کے رنگ کی طرح ہوتا ہے، اس کے سر کے اوپر کا کل نظر آتا ہے، اس کی دم پانچ رنگ کی ہوتی ہے، جس کا رنگ زرد مور کے شہپر کی طرح ہوتا ہے، اور جثہ قاز کے مانند ہوتا ہے، البتہ قاز کی گردن لمبی اور بے ڈھنگی ہوتی ہے، اس کی گردن چھوٹی اور ڈھنگ دار ہوتی ہے، میرے بھائی شاہ عباس نے مجھ سے مرغ زریں مانگے تھے، جو میں نے ان کے ایلچی کے معرفت بھجوا دیئے،

(ص ۴۵-۳۴۴)

وہ اپنے اٹھارہویں سال جلوس میں ایک شکار گاہ میں شکار کھیل رہا تھا تو اس کو ایک سانپ ملا جو ۱/۲ ۲ درع لمبا، اور تین ہاتھ موٹا تھا، وہ اس وقت ایک خرگوش کو آدھا نگل چکا تھا، اور آدھا اس کے منہ سے باہر تھا، جب اس کو شکاری جہانگیر کے پاس لائے تو اس کے منہ سے خرگوش گر گیا، جہانگیر نے حکم دیا کہ خرگوش پھر سانپ کے منہ میں ڈال دیا جائے، ہر طرح کا زور لگانے کے بعد بھی خرگوش اس کے منہ میں نہ جا سکا، زور لگانے میں اس کے منہ کا ایک گوشہ کٹ گیا، اس کا پیٹ چاک کیا گیا تو اس میں سے ایک اور خرگوش نکلا، ہندوستان میں یہ سانپ چیتل کہلاتا ہے، اور یہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ کوتہ پاچہ کو نگل سکتا ہے، یہ زہریلا نہیں ہوتا ہے، اور کسی کو کاٹتا بھی نہیں ہے (ص ۳۷۰)

جہانگیر نے اپنے انیسویں سال جلوس میں شکار کرتے وقت ایک اتنا بڑا سانپ

دیکھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، یہ کنچھ مار سانپ بالکل سیاہ تھا، وہ ایک دوسرے کنچھ مار سانپ کو کھا کر اپنے بل میں گھس گیا تھا، جہانگیر کے حکم سے اس کا بل کھودا گیا، وہ پکڑا گیا، اور جب اس کا پیٹ پھاڑا گیا تو اس میں سے کنچھ مار سانپ نکلا، جو لمبائی اور موٹائی میں مختلف تھا، لیکن دونوں میں بہت تھوڑا سا فرق معلوم ہوتا تھا (ص ۱۳۹)

وہ اسی اٹھارویں سال جلوس میں رحیم آباد کے پاس شکار کھیل رہا تھا، تو اس کو دراج توبغون نظر آیا، جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس کا شکار اپنے باز سے کیا، اس سلسلہ میں وہ لکھتا ہے، کہ سفید دراج (تیتر) کے مقابلہ میں سیاہ دراج کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے، بڑے پودنہ کو ہندوستانی گھاگھر کہا جاتا ہے، اس کا گوشت چھوٹے پودنہ سے زیادہ بہتر ہوتا ہے، چھوٹا پودنہ لڑاکا بھی ہوتا ہے، میں نے بکری کے موٹے بچے کے گوشت کا موازنہ بھیڑ کے بچے سے کیا تو پتہ چلا کہ بکری کے بچہ کا گوشت نسبتاً زیادہ لذیذ ہوتا ہے (ص ۳۸۴) اسی طرح وہ لکھتا ہے کہ تمام مچھلیوں میں روہو کا گوشت سب سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے، اس کے بعد برین مچھلی کا درجہ ہے، دونوں پولک دار ہوتی ہیں، دونوں ایسی مشابہ ہوتی ہیں کہ ان کا پہچاننا آسان نہیں، ان کے گوشت میں بھی تھوڑا سا فرق ہوتا ہے، مگر جو صاحب ذائقہ ہوتے ہیں وہ تمیز کر لیتے ہیں (ص ۳۸۹)

وہ اپنے اٹھارہویں سال جلوس میں لکھتا ہے،

شکارگاہ میں امام وردی قراول ایک دراج کو لے آیا، جس کے ایک پاؤں میں خار تھا، دوسرے پاؤں میں نہ تھا، مادہ کی پہچان اسی خار سے ہوتی ہے، امام وردی نے میرا امتحان لینے کی غرض سے پوچھا کہ یہ دراج نر ہے یا مادہ، میں نے فوراً جواب دیا

کہ مادہ" ہے"، اس کے بعد اس کا پیٹ چاک کیا گیا تو اس میں انڈا نکلا، اس وقت جو لوگ اسکے جلو میں تھے، انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کس پہچان سے میں نے اس کو مادہ بتلایا، میں نے کہا کہ مادہ کی چونچ اور سر نر سے چھوٹا ہوتا ہے، مجھکو تحقیق سے اور دیکھتے دیکھتے یہ مہارت حاصل ہوگئی ہے، ایک عجیب بات یہ ہے کہ ترک جس جانور کو حتق کہتے ہیں، اس کے ما لن کی نلی اس کے گلے سے اس کے چینہ دان تک ایک ہوتی ہے، لیکن جرز کے ایسا نہیں ہوتا ہے، اس کے حلق کے اوپر چار انگل کے برابر ایک نلی ہوتی ہے، جو دو حصوں میں ہو کر چینہ دان تک پہنچتی ہے، جہاں سے یہ نلی دو حصوں میں ہوتی ہے وہاں پر ایک سر بلند اور ایک گرہ بھی رہتی ہے جو اوپر ہاتھ سے چھونے سے محسوس ہوتی ہے، اکلنگ میں یہ نلی اور بھی عجیب تر طریقہ پر واقع ہوتی ہے، نلی سانپ کے پیچ کی طرح سینہ کی ہڈیوں کے بیچ سے دم غازہ تک پہونچتی ہے، اور پھر وہاں سے مڑ کر حلق کی طرف جاتی ہے، جرز دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک سیاہ ابلق اور دوسرا بور (؟) اب جا کر یہ معلوم ہوا کہ یہ علٰحدہ علٰحدہ قسموں سے نہیں ہیں، نر کا رنگ سیاہ ابلق اور مادہ کا بور ہوتا ہے، (ص ۳۰۹)

مصنف کی دوسری کتابیں

۱- بزم تیموریہ :- تیموری بادشاہوں، شاہزادوں اور شاہزادیوں کے علمی ذوق اور انکے درباری شعراء و فضلاء کے علمی و ادبی کمالات کی تفصیل،
۴۶۴ صفحے ، قیمت : للعہ ۲۵ پیسہ

۲- بزم مملوکیہ : ہندوستان کے غلام سلاطین کی علم نوازی، علم پروری اور اس دور کے علماء و فضلا کے علمی و ادبی کارنامے۔ ۳۵۰ صفحے، قیمت معہ

۳- بزم صوفیہ : عہد تیموریہ سے پہلے کے اہل قلم و صاحب ملفوظات صوفیائے کرام کے حالات و تعلیمات (زیر طبع)

۴- ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک تیموری عہد سے پہلے کے مسلمان حکمرانوں کی سیاسی، تمدنی و معاشرتی تاریخ۔ ۶۰۰ صفحے قیمت عہ

۵- ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام :-
ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت عہ ۲۵ پیسہ

۶- ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے :
ضخامت ۶۵۰ صفحے، قیمت معہ

۷- ہندوستان کے سلاطین، علماء و مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر
ضخامت ۲۲۸ صفحے، قیمت للعہ ۵۰ پیسہ

۸- ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں :-
ہندوستان سے متعلق امیر خسرو کے جذبات و تاثرات و محسوسات کا ایک دلآویز مرقع۔ ضخامت : ۱۳۴ صفحے
قیمت عہ ر ۵۰ پیسہ

عہد مغلیہ

مسلمان و ہندو مورخین کی نظر میں

حصہ اول

ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کے جنگی، سیاسی، علمی، تمدنی اور تہذیبی کارناموں کی تفصیل

ضخامت ۵۲۶ صفحے ، قیمت للعہ ۵۰

مینیجر